www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

September 2009 • No. 394

دریا کا پانی نہ کبھی ٹھہرتا ہے اور نہ ایک لمحہ کے لیے پیچھے کی طرف مڑتا ہے۔ وہ مسلسل اور ہر آن اپنی منزل کی طرف اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 24356666, 24355454
Fax: 24357333
www.goodwordbooks.com
email: info@goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy Rs. 10
One year Rs. 100
Two years Rs. 200
Three years Rs. 300
Four years Rs. 400
Five years Rs. 450
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

الرسالہ
ستمبر 2009

فہرست

روزہ اور رمضان	2
شعوری عبادت	3
جنت کی پہچان	4
تجدید ایمان کی ضرورت	5
عجز کا تجربہ	6
توبہ اسلام میں	7
دوسرا شجرِ ممنوعہ	8
قیامت کا الارم	10
اختلاف ایک صحت مند ظاہرہ	13
پیغمبرِ امن	14
دعوت کا عالمی نشانہ	17
اجتماعیت کا راز	18
بے اطمینانی کا سبب	19
بچوں کی اصلاح	20
حکمتِ تخلیق	21
خدا کا وجود	22
دو چیزوں میں فرق	32
معاش کا مسئلہ	33
تخلیقی صلاحیت	34
پختگی کیا ہے	35
ایک مہلک عادت	36
سوال و جواب	37
خبر نامہ اسلامی مرکز	41

روزہ اور رمضان

رمضان کا مہینہ روزے کا مہینہ ہے۔ روزہ کسی رسمی عمل کا نام نہیں۔ روزہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک تربیتی عمل ہے۔ روزے کا تعلق صرف ایک مہینے سے نہیں ہے، بلکہ اُس کا تعلق مومن کی پوری زندگی سے ہے، رمضان کے مہینے میں مقرر روزے داری کی صورت میں، اور سال کے بقیہ مہینوں میں غیر مقرر روزے داری کی صورت میں۔ گویا کہ روزے کا تعلق مومن کی پوری زندگی سے ہے، نہ کہ سال کے صرف ایک مہینے سے۔

حدیث میں روزے کے مہینے کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے (**هو شهر الصبر**)۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کی حقیقت صبر ہے، اور صبر وہ صفت ہے جس کا تعلق مومن کی پوری زندگی سے ہوتا ہے، نہ کہ صرف ہجری کیلنڈر کے ایک مہینے سے۔ مقرر روزہ بھوک پیاس کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے، اور غیر مقرر روزہ زندگی کے مختلف معاملات میں صبر کی صورت میں۔

ذہن کا روزہ یہ ہے کہ آدمی کی سوچ محتاط انداز کی سوچ ہو، زبان کا روزہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بولنے پر کنٹرول رکھے۔ عمل کا روزہ یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے، اس میں وہ عدل و انصاف کی پابندی کرے۔

دنیا میں رہتے ہوئے ہر عورت اور ہر مرد کو مسلسل طور پر مختلف قسم کے معاملات پیش آتے ہیں۔ اِن تمام معاملات میں اپنے آپ کو بے اصولی سے بچانا، اور ہمیشہ با اصول طریقہ اختیار کرنا، یہی وسیع تر معنوں میں غیر مقرر روزے داری ہے۔ اور حقیقی معنوں میں روزے دار وہ ہے جو مقرر روزے داری اور غیر مقرر روزے داری دونوں پہلوؤں سے اپنے آپ کو روزے دار ثابت کر سکے۔

جو آدمی رمضان کے مہینے کو اِس طرح پائے کہ وہ اس کے لیے غیر مقرر روزے داری کی تربیت کا مہینہ بن جائے، وہی وہ انسان ہے جس نے رمضان کو پایا اور وہی وہ انسان ہے جس کو ریان کے دروازے سے جنت میں داخلے کی سعادت حاصل ہوگی، جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

شعوری عبادت

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنّ الرجل ليكون من أهل الصلاة والصوم والزكاة والحج والعمرة، حتى ذكر سهام الخير كلّها، وما يُجزىٰ يوم القيامة إلاّ بقدر عقله (رواه البيهقي في شعب الإيمان، رقم الحديث: 4637) یعنی آدمی بظاہر نماز اور روزہ اور زکاۃ اور حج اور عمرہ کے عمل کرتا ہے، حتی کہ آپ نے تمام اعمالِ خیر کا ذکر کیا، پھر آپ نے فرمایا مگر قیامت کے دن وہ صرف اپنی عقل کے بقدر اُس کا بدلہ پائے گا۔

اِس حدیثِ رسول میں 'عقل' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عقل سے مراد فہم (understanding) ہے۔ اِس روایت میں عقل سے مراد وہی چیز ہے جس کو شعور کہا جاتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ذکر و عبادت کے اعمال کرتا ہے، لیکن اِن اعمال کا انعام ان کے فارم یا کمیت (quantity) کے اعتبار سے نہیں دیا جاتا، بلکہ اعمال کی اصل اسپرٹ کے اعتبار سے دیا جاتا ہے، کسی آدمی نے جس درجۂ شعور کے ساتھ عبادت کی ہوگی، اُسی درجۂ شعور کے اعتبار سے اس کے عمل کا انعام مقرر کیا جائے گا۔

مثلاً ایک آدمی عبادت کرتا ہے، لیکن اُس کی عبادت، قرآن کے مطابق، سہو (absent-mindedness) کے ساتھ ہوتی ہے۔ بظاہر وہ عبادتی افعال کر رہا ہوتا ہے، لیکن شعور کے اعتبار سے وہ غفلت کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایسا آدمی غیر مطلوب عبادت کر رہا ہے۔ ذکر و عبادت کی مطلوب صورت وہ ہے جب کہ آدمی کا وہ حال ہو جائے جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی یاد سے اُس کا دل دہل اٹھے (الأنفال: 2) اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں (الزمر: 23) یہ دوسرا آدمی زندہ شعور کے ساتھ ذکر و عبادت کا عمل کرتا ہے۔ خدا کے یہاں تمام بڑے بڑے انعامات اُس انسان کو دیے جائیں گے جس نے اِس طرح زندہ شعور کے ساتھ ذکر و عبادت کا عمل کیا ہو۔

عبادت کے اِس اعلیٰ درجے کو حاصل کرنے کے لیے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو غیر متعلق چیزوں میں مشغول ہونے سے بچائے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ترقیٔ ایمان کی دعا کرتا رہے۔

جنت کی پہچان

قرآن کی سورہ نمبر 47 میں اہلِ جنت کے بارے میں آیا ہے کہ: ویدخلهم الجنّة عرّفها لهم (محمد: 6)۔ اِس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے: ''اور اللہ اُن کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اُنھیں پہچان کرادی ہے''۔ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جنت اُن اہلِ معرفت کے لیے ہے جن کے لیے موجودہ دنیا جنت کی پہچان بن جائے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا اپنی حقیقت کے اعتبار سے مثلِ جنت ہے۔ جنت میں جو چیزیں اعلیٰ معیار پر پائی جاتی ہیں، وہی موجودہ دنیا میں غیر معیاری صورت میں موجود ہیں (البقرۃ: 25)۔ جس آدمی کو معرفت کے درجے میں ایمان ملا ہو، وہ اِس معاملے میں اتنا زیادہ حساس ہوجائے گا کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس کو جنت کی جھلک دکھائی دے گی، دنیا کی ہر چیز اُس کے لیے جنت کی پہچان بن جائے گی:

Everything in this world serves as an introduction to Paradise.

قرآن میں آیا ہے کہ اہلِ جنت کو جب کوئی جنتی چیز دی جائے گی تو وہ کہیں گے کہ: هذا الذی رزقنا من قبل (البقرۃ: 25) یعنی یہ تو وہی ہے جیسا کہ اِس سے پہلے ہم کو دیا گیا تھا۔ اِسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: إنّ شدة الحرّ من فيح جهنم (صحيح البخاری، كتاب المواقيت) یعنی گرمی کی شدت جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہے۔

اِس آیت اور اِس حدیث کو لے کر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا اِس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ انسان کے لیے جنت اور جہنم کی یاد دہانی کا ذریعہ بن جائے۔ یہاں آدمی کو کوئی نعمت ملے تو اُس کے اندر اس کو جنت کی جھلک دکھائی دے۔ اِسی طرح یہاں کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے تجربے سے جہنم کو یاد کرنے لگے۔ جو آدمی موجودہ دنیا میں اِس طرح رہے، اُس کے اندر بیک وقت دو صفات پیدا ہوں گی — جہنم کا ڈر، اور جنت کا اشتیاق۔

تجدیدِ ایمان کی ضرورت

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جدّدوا إیمانکم، قیل کیف نجدّد إیماننا، قال: أکثروا من قول لا إلٰہ إلاّ اللّٰہ (مسند أحمد، رقم الحدیث: 8353)۔ یعنی لاالٰہ الا اللہ کے کلمہ کے ذریعہ اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ اس حدیثِ رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو ایک بار پڑھ لیا جائے اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے کافی ہو جائے، بلکہ بار بار اس کی تجدید ضروری ہے۔ تجدید کلمہ کا مطلب ہے شعورِ ایمان کو بار بار بیدار کرتے رہنا، تاکہ آدمی کے اوپر غفلت اور بے حسی کی حالت طاری نہ ہو۔ آدمی ہمیشہ زندہ اور متحرک ایمان کے ساتھ جی سکے۔

اِس حدیث کا ایک اور پہلو ہے جو اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے: الإسلام یھدم ما کان قبلہ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 192) یعنی اسلام قبل کی چیزوں کو ڈھا دیتا ہے۔ اِس معاملے کا ایک پہلو وہ ہے جو اُس وقت سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ آدمی کلمہ پڑھ کر مومن بنا ہو۔ اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جو بعد کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد بھی بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سے خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ میں خدا کی رحمت سے دور ہو گیا۔ اُس وقت مومن کو یہ کرنا ہے کہ وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر دوبارہ اپنی تنہائیوں میں زندہ شعور کے ساتھ کلمہ ادا کرے۔ وہ کہے کہ: أشھد أن لا إلٰہ إلاّ اللہ، وأشھد أنّ محمداً عبدہ ورسولہ۔ یہ کہہ کر وہ خدا سے دعا کرے کہ خدایا، میرے گناہوں کو معاف کر دے اور مجھ کو دوبارہ اپنی رحمتوں کے سایے میں لے لے۔ میں نے پھر سے ایمان قبول کیا، تاکہ پھر سے میں مومنین وصالحین کی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ خدایا، میں تیرے راستے سے بھٹک گیا تھا، تو میری پچھلی زندگی کو میرے دورِ جاہلیت میں شامل کر دے اور مجھ کو دوبارہ ایمان و اسلام کی زندگی عطا فرما دے۔

جو آدمی زندہ شعور کے ساتھ ایسا کرے، اُس کو بار بار نیا ایمان ملتا رہے گا۔ اِس تجدید ایمان کے نتیجے میں اُس کا وہ حال ہو جائے گا جس کو حدیث میں کان کیوم ولدتہ أمہ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 1449) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی نومولود بچے کی طرح معصوم۔

عجز کا تجربہ

ایک حدیثِ قدسی ان الفاظ میں آئی ہے: أنا عند المنکسرۃ قلوبھم (حلیۃ الأولیاء، جلد2، صفحہ 364) یعنی میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوتا ہوں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مادّی قسم کی بربادی، انسان کو خدا سے قریب کرتی ہے، مگر انسان اپنے کو برباد نہیں ہونے دیتا، اِس لیے وہ خدا سے قربت کا تجربہ بھی نہیں کرتا۔

موجودہ دنیا کا نظام اِس طرح بنا ہے کہ انسان کے ساتھ بار بار ناکامی کے واقعات ہوں، وہ دل شکستگی کے تجربے سے دوچار ہو۔ لیکن انسان ہوشیاری کرتا ہے اور اپنے آپ کو اِس قسم کے تجربات سے بچانے کے لیے سب کچھ کر ڈالتا ہے۔

اِس ہوشیاری کی عام طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک، یہ کہ صحیح طرز پر معاملہ کرنے میں جب اس کو کوئی نقصان ہوتا ہوا نظر آتا ہے تو وہ فوراً غلط طریقے اختیار کر کے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ وہ انصاف اور دیانت داری کے طریقے کو چھوڑ کر، بے انصافی اور بددیانتی کا طریقہ اپنا لیتا ہے۔ اِس طرح وہ بظاہر اپنی ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کر لیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دل شکستگی کے تجربے سے دوچار نہیں ہونے دیتا۔ حالاں کہ دل شکستگی کسی انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی بھُلاوہ کلچر کو اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دل شکستگی کے احساس سے بچانے کے لیے شراب پیتا ہے۔ نمائشی تفریحات کے ذریعے اپنا دل بہلاتا ہے۔ وہ مصنوعی سرگرمیوں میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو افسردگی کے احساس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی فطری زندگی گزارے۔ وہ ہمیشہ اعتدال کے ساتھ رہے، وہ کسی بھی حال میں، جھوٹ اور بے انصافی کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ اس طرح وہ اُن لمحات سے محروم نہ ہوگا، جب کہ اس کے اوپر عجز کا احساس طاری ہو اور وہ قادرِ مطلق خدا کی قربت کا تجربہ کرے۔

توبہ اسلام میں

توبہ کے لفظی معنی رجوع کے ہیں، یعنی لوٹنا۔ دینی اصطلاح میں توبہ کا مطلب ہوتا ہے — گناہ کے بعد دوبارہ اصلاح کی طرف لوٹنا۔ توبہ کی اصل ندامت ہے۔ چناں چہ حدیث میں آیا ہے: الندم توبةٌ (ابن ماجہ، کتاب الزہد؛ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 376) یعنی توبہ یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر سخت شرمندہ ہو۔

توبہ اپنی زبان سے کسی لفظ کو دہرانے کا نام نہیں ہے۔ توبہ دراصل شدید طور پر احساسِ خطا کا نام ہے۔ جب آدمی اپنی غلطی پر شرمندہ ہو تو وہ اِس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ وہ دوبارہ اپنی غلطی کا اعادہ کرے۔ اِس لئے توبہ کے ساتھ لازمی طور پر اصلاح کا تصور جڑا ہوا ہے۔ اگر توبہ کے باوجود آدمی اپنی اصلاح نہ کرے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اس نے حقیقی معنوں میں توبہ نہیں کیا۔

توبہ کرنے والوں کے ذکر کے تحت، قرآن میں یہ آیت آئی ہے: **فأولئك يبدّل الله سيّأتهم حسنات (الفرقان: 70)** یعنی اللہ توبہ کرنے والوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا:

God will change the evil deeds of such people into good ones.

اگر ایک آدمی سے برائی ہوجائے۔ اس کے بعد اس کو خدا کی یاد آئے۔ وہ خدا کی باز پرس کو سوچ کر تڑپ اٹھے، وہ توبہ اور استغفار کرتے ہوئے خدا کی طرف دوڑ پڑے، تو خدا اپنی رحمت سے ایسی برائی کو نیکی کے خانے میں لکھ دے گا۔ کیوں کہ وہ برائی آدمی کے لیے خدا کی طرف رجوع کرنے کا سبب بن گئی۔

عربی میں کہا جاتا ہے کہ: **الإنسان مركّب من الخطأ والنّسيان**۔ اِسی طرح انگریزی زبان میں یہ مقولہ ہے کہ غلطی کرنا انسان کی خصلت ہے (to err is human)۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس دنیا میں معیاری طور پر صالح بننا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ جو چیز ممکن ہے، وہ یہ کہ آدمی توبہ کرنے والا بنے، غلطی کرنے کے بعد وہ فوراً چونکے، وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہو، وہ اپنی اصلاح کرکے دوبارہ خدا کی طرف رجوع کرنے والا بن جائے، یہی انسان سے مطلوب ہے۔ اگر کوئی شخص غلطی پر اصرار نہ کرے اور وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرتا رہے تو وہ خدا کے یہاں قابلِ معافی قرار دیا جائے گا۔

دوسرا شجرِ ممنوعہ

آدم پہلے انسان تھے۔ پیدائش کے بعد اُن کو جنت میں رکھا گیا۔ وہاں اُن کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ لیکن جنت میں ایک شجرِ ممنوعہ (forbidden tree) تھا۔ آدم سے کہا گیا کہ جنت میں تم آزادانہ طور پر رہ سکتے ہو، لیکن اِس شجرِ ممنوعہ کے قریب مت جانا، ورنہ تم کو جنت سے نکال دیا جائے گا۔ اِسی طرح موجودہ دنیا میں بھی ایک شجرِ ممنوعہ ہے، اور وہ تشدد ہے:

There was a forbidden tree in Paradise. There is also a forbidden tree in this wrold, and that is violence.

جو لوگ تشدد میں ملوث ہوں، اُن کو اپنے اِس جرم کی یہ بھاری قیمت دینی پڑے گی کہ وہ جنت میں داخلے سے محروم کر دئے جائیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور اُن کی بیوی حوا جب کرۂ ارض پر بسائے گئے تو یہاں آغاز ہی میں ایک حادثہ پیش آیا۔

اُن کے دو بیٹوں، قابیل اور ہابیل کے درمیان نزاع ہوئی، یہاں تک کہ قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اِس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا کہ: ''جو شخص کسی کو قتل کرے، بغیر اِس کے کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا''۔ (المائدۃ: 32)

قرآن میں اِس قسم کے سخت الفاظ کسی بھی دوسرے جرم کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ سنگین جرم یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے خلاف جارحانہ تشدد کرے۔ اِس معاملے میں اگر کوئی استثناء ہے تو وہ ایک منظم حکومت یا ایک باقاعدہ عدالت کے لیے ہے۔ عام انسان کے لیے اِس معاملے میں کوئی استثناء نہیں۔

تشدد کی یہ سخت ممانعت اِس لیے ہے کہ تشدد فطری نظام کے خلاف ہے۔ خالق کا قائم کردہ فطری نظام یہ ہے کہ ہر عورت اور ہر مرد کو آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع ملے، لیکن تشدد اور جارحیت سے

یہ فطری نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔ تشدد خالق کے فطری نظام میں مداخلت ہے۔ اور اِس قسم کی مداخلت بلاشبہہ سب سے زیادہ سنگین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔

موجودہ دنیا میں تشدد اور جارحیت سے پاک ماحول کس طرح بنایا جائے، اِس کا جواب صرف ایک ہے — اللہ سے ڈرنے والوں کو اپنے اوپر یہ ذمے داری لینا ہے کہ وہ یک طرفہ طور پر صبر کریں، وہ تشدد کے تجربے کے باوجود عملاً بے تشدد بن جائیں۔ صرف اِسی طرح تشدد سے پاک ماحول دنیا میں بن سکتا ہے۔ قرآن کی سورہ نمبر 5 میں بتایا گیا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو مارنا چاہا تو ہابیل نے کہا: **لئن بسطتَ إليَّ يدك لتقتلني، ما أنا بباسط يدىَ إليك لأقتلك، إنّى أخاف الله ربَّ العالمين** (المائدة: 28) یعنی اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تم کو قتل کرنے کے لیے تم پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے، جو سارے جہان کا رب ہے۔

تشدد پر یک طرفہ صبر کی یہ آخری مثال ہے جو آدم کے بیٹے ہابیل نے قائم کی۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد کے زمانے میں سیاسی بگاڑ پیدا ہوگا، مگر تم اپنے حکم رانوں سے ہرگز ٹکراؤ نہ کرنا۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر وہ خود ہمارے گھر میں ہم کو مارنے کے لیے آجائیں تو ہم کیا کریں۔ آپ نے جواب دیا: **فلیکن کخیر ابنَی آدم** (سنن أبی داؤد، کتاب الفتن) یعنی تم آدم کے دو بیٹوں میں سے اچھے بیٹے بن جاؤ۔ یعنی خواہ تم دوسروں کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ، مگر تم خود دوسروں کو قتل کرنے کی کوشش نہ کرو۔

تشدد کی دو قسم ہے — ایک، غیر فعّال تشدد (passive violence)۔ اور دوسرا، فعّال تشدد (active violence)۔ غیر فعّال تشدد یہ ہے کہ آپ دوسروں کو ظالم بتا کر ان سے نفرت کریں۔ اور فعال تشدد یہ ہے کہ آپ دوسروں کو ظالم بتا کر اُن کے خلاف جارحانہ کارروائی شروع کر دیں۔ یہ دونوں صورتیں اسلام میں یکساں طور پر گناہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ دونوں میں سے جس تشدد کا ارتکاب کریں، آپ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کے مرتکب قرار پائیں گے۔ دونوں قسم کے تشدد کے درمیان صرف ظاہر کا فرق ہے، حقیقت کے اعتبار سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

قیامت کا الارم

2 جولائی 2009 کو دہلی ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ دیا۔ اِس فیصلے کے مطابق، بالرضا ہم جنسی (homosexuality) کو قانونی جواز دیا گیا ہے۔ اِس سے پہلے ہم جنسی کا فعل ایک مجرمانہ فعل تھا۔ ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں اِس فعل کو ڈی کرمنلائز (decriminalize) کر دیا ہے۔ یہ فیصلہ ناز فاؤنڈیشن کے مرافعہ پر دیا گیا۔ ناز فاؤنڈیشن کی ایک ذمّے دار خاتون انجلی گوپالن نے کہا:

Now it seems we are in 21st century as the rights of homosexuals have been recognised by the court. This is very progresseive judgment which recognizes the right to equality of homosexuals.

(*The Hinustan Times*, New Delhi, July 3, 2009, p. 15)

اِس واقعے کی رپورٹ میڈیا میں تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔ نئی دہلی کے انگریزی روزنامہ ہندستان ٹائمس میں یہ رپورٹ حسب ذیل عنوان کے تحت چھپی ہے — ہم جنسی ایک جائز فعل ہے:

It's okay to be gay

یہ صرف انڈیا کی عدالت کے فیصلے کی بات نہیں۔ آج ہم جنسی کا یہ عمل پوری دنیا میں پھیل چکا ہے، حتی کہ امریکا کے صدر براک اوباما نے کھلے طور پر اس کی تائید کی ہے۔ اس عمل کا رواج پہلے بھی دنیا میں تھا، لیکن اب اس کو عمومی طور پر قانونی جواز (legal justification) کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔

یہ کوئی سادہ بات نہیں، یہ بے حد سنگین بات ہے۔ یہ خالقِ کائنات کے غضب (wrath) کو دعوت دینے کے ہم معنی ہے۔ حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے ایک قوم پائی جاتی تھی جس کا مسکن اُس علاقے میں تھا، جہاں اب بحرِ مردار (Dead Sea) واقع ہے۔ اُس قوم میں ہم جنسی کا فعل عام ہو گیا۔ پیغمبر لوط نے اُن کو انتباہ دیا اور اُنھیں اِس فعل سے باز رہنے کو کہا، لیکن ان کی سرکشی اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ وہ علی الاعلان ہم جنسی کا فعل کرنے لگے۔ تاریخ میں غالباً قومِ لوط پہلی قوم ہے جس نے ہم جنسی کے فعل کو اختیار کیا۔ وہ کھلے طور پر اِس فعل کا ارتکاب کرنے لگے۔ یہ قوم دریائے اردن کے کنارے جنوبی

شام کے علاقے میں آباد تھی۔ اِس علاقے کے دو بڑے شہر سدوم اور عمورہ تھے۔ یہ علاقہ اُس زمانہ میں خوب سرسبز وشاداب تھا۔ اِس قوم کی خوش حالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی شاکر بننے کے بجائے عیش پرست اور سرکش بن گئی۔ اُس وقت خدا کے پیغمبر لوط ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ قرآن کے مطابق، انھوں نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کرے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو، تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو'' (الأعراف: 81-80)

حضرت لوط کی مسلسل نصیحتوں کے باوجود قومِ لوط نے اپنی بری روش کو نہیں چھوڑا، حتی کہ وہ لوگ حضرت لوط اور آپ کے ساتھیوں کو اس علاقے سے نکال دینے پر آمادہ ہو گئے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کو سخت عذاب کے ذریعے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اِس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن کچھ فرشتے خوب صورت نوجوانوں کی صورت میں حضرت لوط کے گھر آئے۔ اُن کو دیکھ کر قوم کے لوگ برے ارادے کے تحت وہاں پہنچے۔ حضرت لوط اُنھیں دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ نوجوانوں نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، ہم اِس لئے آئے ہیں کہ ان کی بستیوں کو ہمیشہ کے لیے تباہ کر دیں۔

چناں چہ اس کے بعد اُن پر ایک نہایت شدید زلزلہ آیا۔ یہ زلزلہ آگ اور پتھر کی بارش کی صورت میں تھا، جس نے اِس خطۂ ارض کو بالکل تلپٹ کر دیا۔ حضرت لوط اور ان کے چند ساتھیوں کو چھوڑ کر پوری قوم ہمیشہ کے لیے تباہ کر دی گئی۔ اِن لوگوں کی تعداد تقریباً چار لاکھ تھی۔ مورخین کے بیان کے مطابق، یہ واقعہ 2061 قبل مسیح میں پیش آیا۔ یہ علاقہ پہلے ایک سرسبز علاقہ تھا، لیکن آج وہ بحرِ مُردار (Dead Sea) کی صورت میں قدیم تباہی کی ایک زندہ یادگار بنا ہوا ہے۔

قومِ لوط کا ذکر قرآن میں صرف ایک گزری ہوئی تاریخ کے واقعے کے طور پر نہیں ہے، بلکہ وہ خدا کی طرف سے ایک سنگین الارم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی گروہ کھلے طور پر ہم جنسی کے فعل میں مبتلا ہو جائے اور نصیحت وفہمائش کے باوجود وہ اس سے باز نہ آئے تو ایسا گروہ خالقِ کائنات

کے غضب (wrath) کا مستحق بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو صرف نارمل قسم کی عدالتی سزا نہیں دی جاتی، بلکہ اُن پر خدائی عذاب آتا ہے، وہ زمین سے مٹا دئے جاتے ہیں، تاکہ خدا کی عدالت میں انھیں مواخذہ کے لیے کھڑا کیا جا سکے۔

موجودہ زمانے میں قومِ لوط کا فعل مزید اضافہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ پہلے یہ فعل صرف ایک اخلاقی برائی کے طور پر کیا جاتا تھا۔ اب اس کو نظریاتی طور پر ایک مبرّر برائی (idealogically justified evil) کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا اس کو بلا روک ٹوک ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

یہ صورت حال بے حد سنگین ہے۔ یہ اِس بات کی ایک یقینی علامت ہے کہ اب قیامت کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔ قومِ لوط کو اِس فعل پر ایک محدود علاقے میں تباہ کیا گیا تھا۔ اب بہ ظاہر یہ تباہی پورے کرۂ ارض کی نسبت سے پیش آنے والی ہے۔ قرآن میں جس چیز کو قیامت (Doomsday) کہا گیا ہے، وہ اُسی واقعہ کا زیادہ بڑا اظہار ہے جو قومِ لوط کے ساتھ چھوٹے پیمانے پر پیش آیا تھا۔ اب بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب ساری دنیا پر آنے والا ہے، اِسی آنے والے دن کا نام قیامت ہے۔ 2061 قبل مسیح میں قومِ لوط پر جو عذاب آیا، وہ گویا کہ ایک چھوٹی قیامت تھی، اب بہ ظاہر وہ وقت آگیا ہے جب کہ بڑی قیامت ظاہر ہو اور انسان عالمی سطح پر اُس تباہی کا سامنا کرے جس کا سامنا قومِ لوط کو علاقائی طور پر پیش آیا تھا۔

Subscribe
Al-Risala
online

www.goodwordbooks.com

اختلاف ایک صحت مند ظاہرہ

علامہ ابن تیمیہ کی کتاب الفتاوی الکبریٰ (مجموعہ فتاویٰ) میں ایک واقعہ ان الفاظ میں آیا ہے: صنّف رجلٌ کتاباً سمّاہ "کتاب الاختلاف" فقال أحمد بن حنبل: سمّہ کتاب السَّعَة (جلد 3، صفحہ 238)

یعنی ایک شخص (اسحاق بن بہلول) نے ایک کتاب لکھی۔ اُس نے اِس کتاب کا نام "کتاب الاختلاف" رکھا۔ یہ کتاب اُس نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کتاب کو دیکھ کر کہا کہ تم اِس کتاب کا نام کتاب الاختلاف نہ رکھو، بلکہ تم اِس کتاب کا نام کتاب السعة (توسع والی کتاب) رکھو۔

امام احمد بن حنبل کا مطلب یہ تھا کہ شرعی مسائل میں اختلاف محض اختلاف نہیں ہے، بلکہ وہ توسّع کی بنا پر ہے، یعنی ہر رائے میں صحت کا امکان ہے۔

تاہم یہ توسع سادہ مفہوم میں محض رواداری کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اُس کا ایک مثبت پہلو ہے۔ وہ یہ کہ اختلاف ڈسکشن (discussion) کا ذریعہ بنتا ہے اور ڈسکشن سے ذہنی ارتقا (intellectual development) کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اختلاف سے مراد نزاع نہیں ہے، بلکہ اُس سے مراد سادہ طور پر رائے کا فرق (difference) ہے۔ رائے کا یہ فرق یا اختلاف بے حد اہم ہے۔ اِسی کی بنا پر ڈسکشن اور ڈائلاگ ہوتا ہے اور تبادلۂ خیال (exchange of thought) وجود میں آتا ہے۔ اگر رایوں میں فرق نہ ہو تو باہمی تبادلۂ خیال وجود میں نہیں آئے گا، حالاں کہ ذہنی ارتقا کے لیے تبادلۂ خیال بے حد ضروری ہے۔ جہاں تبادلۂ خیال نہیں، وہاں ذہنی ارتقا بھی نہیں۔

واضح ہو کہ اختلاف اور مخالفت میں فرق ہے۔ اختلاف ایک مثبت عمل ہے۔ اس کے برعکس، مخالفت سرتاسر ایک منفی عمل۔ اختلاف فکری ارتقا کا سبب ہے اور مخالفت فکری جمود کا سبب۔

پیغمبرِ امن

پیغمبر اسلام ﷺ کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب تھا۔ آپ عرب کے شہر مکہ میں 570ء میں پیدا ہوئے۔ 610ء میں آپ کو پیغمبری ملی۔ 622ء میں آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ 632ء میں مدینہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ نے 23 سال دنیا میں گزارے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پورے معنوں میں ایک تاریخی پیغمبر تھے۔ آپ کے بارے میں سب کچھ تاریخ میں مکمل طور پر اور مستند طور پر موجود ہے۔ آپ پر خدا کی جو کتاب اتری، وہ قرآن کی شکل میں اپنی اصل عربی زبان میں آج بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ کوئی بھی شخص قرآن کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ آپ کا پیغام اور آپ کا مشن کیا تھا۔ اِسی طرح آپ کا کلام (حدیث) اصل عربی زبان میں آج بھی مختلف کتابوں میں محفوظ ہے۔ آپ کی سیرت بھی آپ کے قریبی زمانے میں لکھی گئی اور آج بھی اس کو پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ کے اصحاب کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ان کے حالات بھی کتابوں کی صورت میں جاننا اتنا ہی آسان ہے، جتنا کہ آج پرنٹنگ پریس کے زمانے میں کسی شخصیت کو جاننا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے مختصر نصاب یہ ہے — قرآن، مشکوۃ المصابیح، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر، حیاۃ الصحابہ، از مولانا محمد یوسف کاندھلوی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ امن کے پیغمبر تھے۔ آپ نے وہ بنیادی اصول بتائے جو کسی معاشرہ میں امن کے قیام کے لئے ضروری ہیں۔ اِسی کے ساتھ آپ نے اپنی عملی زندگی مکمل طور پر ایک پرامن انسان کی حیثیت سے گزاری۔ اِس طرح آپ نے بتایا کہ آپ کے دئے ہوئے امن کے اصول کس طرح ممکن اور قابل عمل ہیں۔ آپ نے امن کو نظری اعتبار سے بھی بتایا اور عملی اعتبار سے بھی آپ نے اُس کا نمونہ پیش کیا۔ یہاں اِس سلسلے میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اِس معاملے کی وضاحت ہوگی۔

1- اِس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی روزمرہ کی زندگی میں کس طرح امن کے

ساتھ رہے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے آپ سے یہی سوال کیا۔ اس نے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، مجھے کوئی ایسا مختصر فارمولا بتایئے جس کو میں اپنی پوری زندگی میں اپنا سکوں۔ آپ نے فرمایا: **لا تغضب** (تم غصہ نہ کرو)۔ یہ روزمرہ کی زندگی کو پرامن بنانے کے لیے ایک ماسٹر فارمولا ہے۔ گھر کے اندر کی زندگی میں یا گھر کے باہر کی زندگی میں جو چیز امن کو ختم کرتی ہے، وہ غصہ ہے۔ آدمی اگر صرف یہ کرے کہ جب اس کو غصہ آئے تو وہ خاموش ہو جائے۔ وہ اپنے غصہ پر کنٹرول کرلے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ ایک پرامن انسان بن جائے گا۔ غصہ کو باہر نکالنے سے امن کا ماحول ختم ہوتا ہے اور غصہ پر کنٹرول کرنے سے امن کا ماحول قائم ہوتا ہے۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إنّ الله يعطي على الرفق مالا يعطي على العنف** (خدا نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا)۔ اِس حدیثِ رسول میں فطرت کا ایک قانون بتایا گیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی اِس دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کا ذریعہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ آدمی ہمیشہ امن کے دائرے میں رہے۔ وہ اپنے عمل کی منصوبہ بندی پرامن انداز میں کرے۔ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کبھی امن کے دائرہ سے باہر نہ جائے۔ یہی اِس دنیا میں کامیابی کا راز ہے۔ خدا کی اِس دنیا میں کامیابی ہمیشہ امن کے ذریعہ ملتی ہے، نہ کہ جنگ اور ٹکراؤ کے ذریعہ۔

3- حضرت عائشہ صدیقہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جنرل پالیسی کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے: **ما خُيّر رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أمرين إلّا اختارَ أيسرهما** (رسول اللہ کو جب بھی دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا، تو آپ دونوں میں سے آسان تر معاملے کا انتخاب کرتے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نزاعی امور میں ٹکراؤ کا طریقہ چھوڑ دیتے جو کہ ہمیشہ نقصان میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ ایسے موقع پر آپ ہمیشہ امن کا طریقہ اختیار فرماتے جو کہ ہمیشہ سدھار کی طرف لے جانے والا ثابت ہوتا ہے۔ نزاع کے حل کے لیے آپ ہمیشہ پرامن طریق کار کا انتخاب فرماتے اور ہر ممکن کوشش سے ٹکراؤ اور تشدد کے راستے کو ترک کر دیتے۔

4- یہی اصول آپ نے جنگ کے موقع پر بھی اختیار فرمایا۔ قدیم عرب کے لوگ آپ کے خلاف

ہوگئے اور آپ کے مشن کو مٹانا چاہا۔ انھوں نے بار بار جنگ چھیڑنے کی کوشش کی، مگر آپ ہمیشہ جنگ کو ٹالتے رہے۔ مختلف طریقوں سے آپ نے یہ کوشش کی کہ اپنے مخالفین سے آپ کی مڈبھیڑ نہ ہونے پائے۔ مخالفین نے 80 سے زیادہ بار آپ کو جنگ میں الجھانے کی کوشش کی، لیکن آپ نے ہمیشہ جنگ سے اعراض کی تدبیر اختیار کی۔ صرف تین بار ایسا ہوا کہ آپ کو محدود طور پر اپنے مخالفین سے دفاعی جنگ لڑنا پڑا — بدر، احد، حنین۔

5- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ تم اپنے دشمن کے ساتھ جوابی سلوک نہ کرو، بلکہ یک طرفہ طور پر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن تمھارا دوست بن جائے گا (حم السجدہ: 34)۔ قرآن کی اِس آیت کے ذریعہ آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ ہر انسان خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کوئی انسان بظاہر دشمن نظر آئے تب بھی اس کو دشمن نہ سمجھو، بلکہ اس کو اپنا امکانی دوست (potential friend) سمجھو۔ لوگوں کے منفی رویہ کے مقابلے میں تم مثبت رویہ اختیار کرو۔ اِس طرح انسان کے اندر کی فطرت جاگ اٹھے گی اور کل کا دشمن آج تمھارا دوست بن جائے گا۔ اِس اصول کو اختیار کر کے آپ نے اپنے ہم عصر عربوں کو اپنا دوست بنا لیا۔ آپ نے بتایا کہ ہر مشکل کے ساتھ ہمیشہ آسانی موجود رہتی ہے (إن مع العسر يُسراً) یعنی خدا کی اِس دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ مسائل کے ساتھ مواقع (opportunities) موجود رہتے ہیں۔ تم مسائل کو نظر انداز کرو اور مواقع کو استعمال کرو۔ اِس طرح تم کوئی نیا مسئلہ پیدا کئے بغیر کامیابی حاصل کر لو گے۔

آپ نے پرامن زندگی کا ایک کامیاب فارمولا اِن الفاظ میں بیان کیا: أدّوا إليهم حقهم وسئلوا الله حقّكم (لوگوں کو اُن کا حق دو اور اپنا حق خدا سے مانگو) یعنی لوگ تم سے جو کچھ چاہتے ہیں، اُس کو اُنھیں ادا کرو، اور تم اپنے لئے جو کچھ چاہتے ہو، اُس کو خدا کی دی ہوئی صلاحیت کے ذریعہ کوشش کر کے حاصل کرو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ تم رائٹ کانشس (right conscious) نہ بنو، بلکہ تم ڈیوٹی کانشس (duty conscious) بن جاؤ۔ یہ امن کا بہترین فارمولا ہے۔ جس سماج کے افراد اِس طرح رہیں، وہ دوسروں کے لئے بے مسئلہ (no-problem) انسان بن کر اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ اور جو لوگ اِس روش پر قائم ہو جائیں، اُن سے سماج کو صرف امن ہی امن ملے گا اور خیر ہی خیر کا تجربہ ہوگا۔

دعوت کا عالمی نشانہ

بعد کے زمانے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی حدیث میں اس طرح آئی ہے: **لا يبقى على ظهر الأرض بيت مدرٍ ولا وَبرٍ إلا أدخله الله كلمة الاسلام** (مسند احمد) زمین کی پشت پر کوئی گھر یا خیمہ باقی نہیں رہے گا مگر اللہ اس کے اندر اسلام کا کلمہ داخل کر دے گا۔

اِس حدیثِ رسول میں بعد کے زمانے کے لئے ایک پیشین گوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذکورہ واقعہ پراسرار طور پر ہوگا یا ایسا ہوگا کہ اپنے آپ خدا کا کلام ہر گھر میں داخل ہو جائے۔ یہ واقعہ مکمل طور پر اسباب کے تحت پیش آئے گا۔ اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعد کے زمانہ میں ایسے امکانات پیدا ہوں گے جن کو استعمال کر کے یہ ممکن ہو جائے گا کہ خدا کے دین کے داعی خدا کے کلام کو ساری دنیا میں ہر چھوٹے اور بڑے گھر میں داخل کر دیں۔ اس میں دراصل اسلام کے عالمی دعوت کے نشانہ (universal target of dawah) کے واقعہ بننے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ قیامت سے پہلے ہوگا تاکہ عمومی طور پر لوگوں کے اوپر اتمام حجت ہو جائے۔

موجودہ زمانے میں پرنٹنگ پریس نے اس امکان کو واقعہ بنا دیا ہے۔ اللہ کی توفیق سے ہمارے ادارے نے ایک ایسا انگریزی ترجمۂ قرآن جدید معیار کے مطابق چھاپا ہے جس کی زبان میں کامل وضوح (clarity) پائی جاتی ہے۔ آج تمام لوگوں کا فرض ہے کہ اس انگریزی ترجمہ کو ساری دنیا میں پھیلائیں۔ اس کو ایک ایک عورت اور مرد تک پہنچا دیں۔ یہ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا دعوتی کام ہے۔ غالباً یہی وہ کام ہے جس کی بابت حدیث میں آیا ہے: **هذا عظيم الناس شهادة عند رب العالمين**۔ اصحاب رسول کا زمانہ پرنٹنگ پریس سے قبل کا زمانہ ہے۔ وہ قرآن کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ چناں چہ ان کو مقری کہا جاتا تھا۔ اب پرنٹنگ پریس کے زمانہ میں مطبوعہ قرآن کو پھیلانا ہے۔ صحابہ اگر قرآن کے مقری بنے تھے تو اب ضرورت ہے کہ ہر مسلمان قرآن کا ڈسٹری بیوٹر بنے۔

اجتماعیت کا راز

زندگی میں اجتماعیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بڑے بڑے کام ہمیشہ اجتماعی جدوجہد کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ کسی گروہ کے لیے اجتماعیت سب سے بڑی طاقت ہے۔ اِس کے مقابلے میں غیر اجتماعی زندگی اس کی سب سے بڑی کم زوری۔

اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہر روز پانچ وقت کی نماز کو اجتماعی انداز میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نماز اپنی شکل کے اعتبار سے، اجتماعیت کی ایک اعلیٰ تمثیل ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان نہایت بڑے پیمانے پر ہر روز نماز کی صورت میں مسجدوں میں اجتماعیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن اُن کی عملی زندگی اجتماعیت سے بالکل خالی ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ اجتماعیت حقیقی معنوں میں اُس وقت قائم ہوتی ہے، جب کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے۔ اختلاف کے باوجود متحد ہونے کا نام اتحاد ہے، نہ کہ اختلاف کے بغیر متحد ہونے کا۔

مسجد کی باجماعت نماز مسلمان اِس لیے پڑھ لیتے ہیں کہ اُس کی ادائیگی میں کسی اختلاف کو برداشت کرنے کا معاملہ پیش نہیں آتا۔ مسجد کا وقتی اتحاد اختلاف کے بغیر اتحاد کی صورت میں ہوتا ہے، جب کہ مسجد کے باہر کی زندگی اختلافات سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں ضرورت ہوتی ہے کہ اختلاف کے باوجود متحد ہو کر زندگی گزاری جائے، اختلافات (differences) کو نظر انداز کرتے ہوئے باہمی اتحاد کو قائم رکھا جائے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں یہ دوسری صفت موجود نہیں، اِس لیے اُن کے یہاں حقیقی معنوں میں اجتماعی زندگی بھی موجود نہیں۔

رسمی عمل کے دوران وقتی طور پر متحد ہونا نہایت آسان ہے، لیکن حقیقی زندگی میں اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے اتحاد و اتفاق کو باقی رکھنا نہایت مشکل ہے۔ رسمی اتحاد ایک رٹین کے تحت قائم ہو سکتا ہے، لیکن حقیقی اتحاد شعور کی بیداری چاہتا ہے۔ مسلمانوں کے اندر شعور کی بیداری نہیں، اِس لیے اُن کے اندر حقیقی اتحاد بھی نہیں۔

بے اطمینانی کا سبب

موجودہ دنیا میں ہر عورت اور ہر مرد بے اطمینانی (dissatisfaction) کی نفسیات میں جیتا ہے۔ ہر آدمی کا یہ حال ہے کہ وہ کھونے کے احساس میں جیتا ہے، نہ کہ پانے کے احساس میں۔ یہ حالت اتنی عام ہے کہ اِس میں کوئی استثناء نہیں۔

اِس کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب دراصل وہی ہے جس کو مہجوریٔ وطن کا غم (home sickness) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، انسان جب پیدا کیا گیا تو اس کو جنت میں بسایا گیا تھا۔ گویا کہ جنت ہی انسان کا وطن ہے۔ اس کے بعد انسان کو جنت سے نکال کر کرۂ ارض (planet earth) پر بھیج دیا گیا۔ اِس اعتبار سے گویا کہ تمام انسان جو موجودہ زمین پر ہیں، وہ پناہ گزیں (refugees) کی حیثیت سے یہاں رہ رہے ہیں۔ یہی لوگوں کی بے اطمینانی کا اصل سبب ہے۔ غیر شعوری طور پر ہر آدمی ہوم سِک (homesick) بنا ہوا ہے۔ کوئی بھی تدبیر اِس احساس کو دور کرنے والی ثابت نہیں ہوتی۔

اِس مسئلے کا حل صرف ایک ہے، وہ یہ کہ لوگوں کو خدا کے تخلیقی پلان (creation plan) سے باخبر کیا جائے۔ اُن کو بتایا جائے کہ وہ موجودہ زمین پر عارضی مدت کے لیے ہیں۔ اگر انھوں نے حسنِ عمل کا ثبوت دیا تو دوبارہ وہ جنت میں داخلے کی سعادت حاصل کرلیں گے۔

ایک آدمی اپنے وطن جانے کے لیے کسی سواری میں سفر کر رہا ہے۔ دورانِ سفر اس کو مختلف قسم کی پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ لیکن وہ مطمئن رہتا ہے کہ چند گھنٹے کے بعد وہ اپنے وطن میں پہنچ جائے گا۔ اگر لوگ خدا کے تخلیقی پلان سے باخبر ہو جائیں تو بھی اسی طرح اپنے آپ کو وقتی مسافر سمجھیں گے۔ مستقبل کی کامیابی کا احساس اُن کے حال کی پریشانی کو ان کے لیے غیر اہم بنا دے گا۔ لوگوں کو بے اطمینانی اور ذہنی تناؤ (tension) سے نکالنے کی یہی واحد تدبیر ہے۔ اِس کے سوا کوئی بھی تدبیر اِس معاملے میں کارگر نہیں ہو سکتی۔

بچوں کی اصلاح

ایک مسلم خاتون نے کہا کہ آپ بچوں کی تربیت پر مضمون لکھئے۔ موجودہ زمانے میں بچوں کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ بچوں کی اصلاح پر بے شمار مضمون لکھے گئے ہیں۔ ہر روز بچوں کی اصلاح پر تقریریں ہورہی رہیں، لیکن اِس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی اصلاح کے معاملے میں اصل ضرورت مضمون یا تقریر کی نہیں ہے۔ اِس معاملے میں اصل ضرورت یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کے معاملے میں اپنے رویے کو بدلیں۔ تمام والدین کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ لاڈ پیار (pampering) کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہی لاڈ پیار بچوں کے بگاڑ کا اصل سبب ہے۔ جب تک والدین اپنے لاڈ پیار کو ختم نہ کریں، بچوں کی کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

میری بات سن کر مذکورہ خاتون نے کہا کہ بچوں کے ساتھ سختی بھی تو نہیں کی جاسکتی۔ میں نے کہا کہ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ بچوں کے ساتھ سختی کیجئے۔ میں نے صرف آپ سے یہ کہا تھا کہ بچوں کے ساتھ لاڈ پیار کو چھوڑ دیجئے۔ والدین کا یہی مزاج بچوں کی خرابی کی اصل جڑ ہے۔ آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ لاڈ پیار نہ کرنا اُن کے ساتھ سختی کرنا ہے۔ والدین اپنے بچوں کے لیے اتنے حساس ہوتے ہیں کہ وہ لاڈ پیار نہ کرنے کو سختی کرنا سمجھ لیتے ہیں، اس لئے وہ لاڈ پیار کو چھوڑ نہیں پاتے۔

پھر میں نے کہا کہ آپ خواہ لاڈ پیار کتنا ہی زیادہ کریں، بچوں کے تقاضے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ بچے برابر اور زیادہ اور زیادہ کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ اِس بنا پر والدین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے ابھی کچھ نہیں کیا۔ ہم نے ابھی بچوں کے تقاضے پورے نہیں کئے۔ اس بنا پر تمام والدین لاڈ پیار کے اس احساس میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم تو لاڈ پیار نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے ذہن میں لاڈ پیار کا غلط معیار رہتا ہے، یعنی بچے جب مزید تقاضا نہ کریں تو وہ سمجھیں گے کہ ہم نے لاڈ پیار کیا۔ مگر خواہشات کے معاملے میں بچہ اور بڑا دونوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کو کچھ بھی مل جائے، وہ ان کی خواہشوں سے کم ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ نئے تقاضے جاری رہتے ہیں۔

حکمتِ تخلیق

12 جون 2009 کو میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے انگریزی زبان میں کچھ کہہ رہا ہے۔ دورانِ گفتگو اُس نے کہا کہ اگر خدا ہے، اور خدا نے موجودہ دنیا کو پیدا کیا ہے تو ہماری زندگی میں اتنی زیادہ سفرنگ (suffering) کیوں:

If there is a God, and God has created the world,
then why there is so much suffering in our life?

اِس خواب کا سوال مجھے یاد ہے، لیکن اس کا جواب مجھے یاد نہیں۔ تاہم میں کہوں گا کہ دنیا کی زندگی میں ہم کو جو مصیبتیں پیش آتی ہیں، وہ مصیبتیں نہیں ہیں۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ چیلنج ہیں۔ وہ انسانی ذہن کو جگاتی ہیں۔ وہ انسان کی عملی قوتوں کو متحرک کرتی ہیں۔ یہ مصیبتیں ہمارے لیے ایک مثبت تجربہ ہیں، وہ کوئی منفی تجربہ نہیں۔

خدا کی تخلیق کے مطابق، اِس دنیا میں ہر چیز کو پوٹنشیل (potential) کے روپ میں پیدا کیا گیا ہے۔ اِس کے ساتھ انسان کو غیر معمولی دماغ دیا گیا ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی دماغی صلاحیتوں کو استعمال کرے اور پوٹینشیل کو ایکچول (actual) میں تبدیل کرے۔

زندگی کا نظام اگر اِس طرح ہو کہ یہاں آدمی کو کوئی مسئلہ پیش نہ آئے تو اس کی زندگی میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوگی، اس کی زندگی میں کوئی طوفان نہیں آئے گا۔ ایسا انسان ایک جامد انسان ہوگا۔ وہ حیوان کی مانند جیے گا اور حیوان کی مانند زندگی گزار کر مر جائے گا۔ لیکن فطرت کا یہ نقشہ نہیں۔ فطرت کا مطلوب انسان وہ ہے جو حقیقتوں کا سامنا کرے، جو ہلچل کے واقعات کو اپنی شخصیت کی مثبت تعمیر میں استعمال کرے، جو اپنی ذات میں چھپے ہوئے امکانات کو اپنی جدوجہد سے واقعہ بنائے۔ جو ناموافق حادثات کو اپنے موافق بنانے کا کارنامہ انجام دے، جو معمولی انسان کی حیثیت سے پیدا ہو اور جب وہ مرے تو وہ ایک غیر معمولی انسان بن چکا ہو۔

خدا کا وجود

آج کی شام کے لئے جو موضوع ہے، وہ یہ ہے — خدا کی دریافت کس طرح کی جائے:

How to discover God?

خدا کی دریافت کا معاملہ کوئی اکیڈمک معاملہ نہیں، یہ ہر انسان کا ایک ذاتی سوال ہے۔ ہر عورت اور مرد فطری طور پر اُس ہستی کو جاننا چاہتے ہیں جس نے اُن کو وجود دیا۔ میں بھی دوسروں کی طرح، اِس سوال سے دوچار ہوا ہوں۔ میری پیدائش ایک مذہبی ماحول میں ہوئی۔ اِس کے اثر سے میں روایتی طور پر خدا کو ماننے لگا۔ بعد کو جب میرے شعور میں پختگی (maturity) آئی تو میں نے چاہا کہ میں اپنے اِس عقیدے کو ریزن آؤٹ (reason out) کروں۔ اِس معاملے کی تحقیق کے لئے میں نے تمام متعلق علوم کو پڑھا۔ جیسا کہ معلوم ہے، خدا کا موضوع تین علمی شعبوں سے تعلق رکھتا ہے — فلسفہ، سائنس اور مذہب۔ یہاں میں فلسفہ اور سائنس کی نسبت سے اپنے کچھ تجربات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے مجھے فلسفہ میں اِس سوال کا ایک جواب ملا۔ مطالعہ کے دوران میں نے فرانس کے مشہور فلسفی رینے ڈیکارٹ (وفات: 1650) کو پڑھا۔ وہ انسان کے وجود کو ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا کہ — میں سوچتا ہوں، اِس لئے میں ہوں:

I think, therefore I am.

ڈیکارٹ کا یہ فارمولا جس طرح انسان کے وجود پر منطبق ہوتا ہے، اُسی طرح وہ خدا کے وجود کے لیے بھی قابل انطباق (applicable) ہے۔ میں نے اِس قول پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ — انسان کا وجود خدا کے وجود کو قابل فہم بناتا ہے:

Existence of man makes the existance of God understandable.

خدا کے وجود کے بارے میں یہ میرا پہلا فلسفیانہ استدلال تھا۔ میں نے کہا کہ — میرا وجود ہے، اِس لیے خدا کا بھی وجود ہے:

I am, therefore God is.

فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تقریباً تمام فلسفی کسی نہ کسی طور پر ایک برتر ہستی کا اقرار کرتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے ''خدا'' کا لفظ استعمال کرنے سے احتراز کیا، لیکن کچھ دوسرے الفاظ بول کر وہ خدا جیسی ایک ہستی کی موجودگی کا اعتراف کرتے رہے۔ مثلاً جرمنی کے مشہور فلسفی فریڈرک ہیگل (وفات: 1831) نے اِس برتر ہستی کو ورلڈ اسپرٹ (world spirit) کا نام دیا، وغیرہ۔

اِس کے بعد میں نے چاہا کہ میں سائنسی طریقِ استدلال (scientific method) کے ذریعے اِس معاملے کی تحقیق کروں۔ سائنسی مطالعہ میں جو مسلّمہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے، وہ مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر اس مشاہداتی استدلال کے دو دور ہیں۔ سائنس کا مطالعہ جب تک عالمِ کبیر (macro world) تک محدود تھا، اُس وقت تک اِس استدلال کا صرف ایک طریقہ رائج تھا۔ لیکن جب سائنس کا مطالعاتی سفر عالمِ صغیر (micro world) تک پہنچ گیا تو اِس استدلال میں ایک تبدیلی واقعہ ہوئی۔ وہ یہ کہ پہلے اگر مشاہداتی استدلال (observational argument) کو درست مانا جاتا تھا، تو اب استنباطی استدلال (inferential argument) کو بھی یکساں طور پر درست (valid) مانا جانے لگا، یعنی پہلے اگر آرگومینٹ فرام سین ٹو سین (argument from seen to seen) کا اصول رائج تھا تو اب آرگومینٹ فرام سین ٹو اَن سین (argument from seen to unseen) کا اصول بھی درست استدلال کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا۔ اِن دونوں طریقوں کو فنی زبان میں اِس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

1. Observation, hypothesis, verification

2. Hypothesis, observation, verification

ایک سادہ مثال سے اس معاملے کی عملی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً آپ سیب کو شمار کرنا چاہتے ہیں تو آپ کہتے ہیں — دو سیب جمع دو سیب، برابر چار سیب۔ یہ مشاہداتی استدلال کی ایک مثال ہے۔ دوسرے استدلال کی مثال یہ ہے کہ نیوٹن (وفات: 1727) نے دیکھا کہ ایک سیب درخت سے گر کر

نیچے آیا۔ یہ ایک مشاہدہ تھا۔ اُس نے سوچنا شروع کیا کہ سیب درخت سے ٹوٹ کر اوپر کیوں نہیں گیا، وہ نیچے کیوں آ گیا۔ اِس سوچ کے بعد وہ ایک استنباط تک پہنچا، وہ یہ کہ زمین میں قوتِ کشش ہے۔ اِس کے بعد اس نے دوسرے متعلق شواہد (relevant data) کا جائزہ لیا تو اِس بات کی تصدیق ہوگئی کہ اس کا استنباط درست (valid) تھا۔

سائنسی میتھڈالوجی کو سمجھنے کے لیے میں نے بہت سی کتابیں پڑھیں۔ یہاں میں ایک کتاب کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ یہ مشہور برٹش فلسفی برٹرینڈ رسل (وفات: 1970) کی کتاب ہیومن نالج (Human Knowledge) ہے۔ اِس کتاب میں مصنف نے بتایا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں— چیزوں کا علم، سچائیوں کا علم:

Knowledge of things, knowledge of truths

چیزوں کی دریافت میں مشاہداتی طریقِ استدلال کارآمد ہے، لیکن خدا کے وجود کا معاملہ سچائی کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس لیے اس معاملے میں وہی استدلال قابل انطباق ہے جس کو استنباطی استدلال (inferential argument) کہا جاتا ہے۔

غالباً 1965 کی بات ہے، میری ملاقات ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص سے ہوئی۔ وہ فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ اُن سے خدا کے وجود کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے دوران انھوں نے ایک سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے پاس کرائٹیرین کیا ہے:

What criterion do you have to prove the existence of God.

میں نے جواب دیا کہ — وہی کرائٹیرین جو آپ کے پاس اِس نوعیت کی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے ہو:

Same criterion that you have to prove anything else.

اِس کے بعد میں نے اُن کے سامنے مذکورہ طریقِ استدلال کی وضاحت کی۔ میں نے کہا کہ خدا کے وجود کا معاملہ سچائی (truth) کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ سچائی کی نوعیت کی کسی چیز کو

ثابت کرنے کے لیے جس کرائٹیرین کو استعمال کرتے ہیں، اُسی کرائٹیرین کو خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کیجئے، اور پھر آپ جان لیں گے کہ خدا کا وجود بھی اُسی علمی معیار سے ثابت ہوتا ہے، جس علمی معیار سے اِس نوعیت کی دوسری چیزیں ثابت ہو رہی ہیں۔

سنجیدہ اہلِ علم نے اِس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ مثلاً برٹرینڈ رسل نے اعتراف کیا ہے کہ تھیالوجین عام طور پر خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے وہ طریقہ استعمال کرتے ہیں جس کو ڈزائن سے استدلال (argument from design) کہا جاتا ہے۔ برٹرینڈ رسل کے مطابق، یہ طریقہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے پورے معنوں میں سائنسی منطق (scientific logic) پر مبنی ہے۔ اِس لیے یہ استدلال اصولی طور پر اتنا ہی حقیقی ہے، جتنا کہ کوئی دوسرا سائنسی استدلال۔ اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے:

Where there is design, there is designer and when designer is proved, the existence of God is also proved.

اشیاء کا سائنسی مطالعہ 1609 میں شروع ہوا، جب کہ اطالوی سائنس داں گلیلیو (وفات: 1642) نے ابتدائی دوربین (telescope) کے ذریعے ستاروں کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد دوربینی مشاہدے میں مزید ترقی ہوئی، یہاں تک کہ 1949 میں پیلومر آبزرویٹری (کیلی فورنیا) قائم ہوئی جس کے ذریعے زیادہ بڑے پیمانے پر آسمانی مشاہدہ ممکن ہو گیا۔ اِس کے بعد الیکٹرانک دوربین ایجاد ہوئی جس کو 1990 میں امریکا کی ہبل آبزرویٹری میں نصب کیا گیا۔

اِس قسم کے مطالعے کے ذریعے معلوم ہوا کہ تقریباً 15 بلین سال پہلے خلا میں بگ بینگ کا واقعہ ہوا جس کے بعد ستاروں اور سیاروں کی موجودہ دنیا وجود میں آئی۔ اِس کے بعد تقریباً ایک بلین سال پہلے لٹل بینگ (little bang) ہوا جس کے ذریعے موجودہ شمسی نظام (solar system) وجود میں آیا۔ اس کے بعد سیارۂ ارض پر واٹر بینگ (water bang) ہوا اور زمین پانی سے بھر گئی۔ اس کے بعد زندگی اور زندگی سے متعلق تمام چیزیں پیدا ہوئیں۔

بگ بینگ کے واقعہ کے مزید مطالعے کے لیے 1989 میں امریکا کے ادارہ ناسا (NASA)

نے ایک خصوصی سٹلائٹ (Cosmic Background Explorer) خلا میں بھیجا۔ اِس سٹلائٹ نے بالائی خلا کی جو تصویریں بھیجی ہیں، اُن سے معلوم ہوا ہے کہ کائنات کے بیرونی حصے میں لہر دار سطح (ripples) موجود ہیں۔ تصویر میں اِن لہروں کو دیکھ کر ایک مغربی سائنس داں بولٹزمن (Boltzmann) نے کہا—وہ کون خدا تھا جس نے یہ نشانیاں لکھ دیں:

Who was the God who wrote these signs?

یہ بات صرف بگ بینگ سے نکلی ہوئی لہروں تک محدود نہیں ہے، بلکہ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار چیزوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ایک سنجیدہ انسان جب کائنات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے—وہ کون خدا تھا جس نے اِن تمام نشانیوں کو لکھا:

Who was the God who wrote all these signs?

کائنات کا جب سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک بے نقص (zero-defect) کائنات ہے۔ وسیع خلا میں بے شمار ستارے اور سیارے مسلسل طور پر حرکت میں ہیں، مگر ہمارے شہروں کے برعکس، خلا میں کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا۔ گویا کہ عظیم خلا میں نہایت وسیع پیمانے پر ایک ایکسڈنٹ فری ٹریفک (accident-free traffic) قائم ہے۔ ہماری زمین پر نیچر روزانہ بہت سے واقعات ظہور میں لا رہی ہے۔ یہ گویا ایک عظیم صنعتی نظام ہے۔ مگر یہ نظام زیرو ڈیفیکٹ انڈسٹری (zero-defect industry) کی سطح پر چل رہا ہے۔ یہ بے مثال کائناتی کنٹرول اور یہ آفاقی توازن پکار رہا ہے کہ بلاشبہہ اِس کے پیچھے ایک عظیم خدا ہے جو اِن واقعات کو ظہور میں لا رہا ہے۔

کائنات میں واضح طور پر ایک ذہین منصوبہ بندی (intelligent planning) پائی جاتی ہے۔ ایک چھوٹے ذرے سے لے کر عظیم کہکشانی نظام تک یہ منصوبہ بندی نمایاں طور پر ہمارے مشاہدے میں آتی ہے۔ یہ منصوبہ بندی بلاشبہہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اِس کائنات کے پیچھے ایک بہت بڑا ذہن (mind) کارفرما ہے یہ عقیدہ اتنا ہی سائنسی ہے، جتنا کہ ایکس رے کی قابلِ مشاہدہ تصویر کو دیکھ کر ناقابلِ مشاہدہ ایکس ریز (X-Rays) کے وجود کو ماننا۔

موجودات کے مشاہدے سے ایک عظیم حقیقت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس میں جگہ جگہ یکسانیت کے ساتھ استثناء (exception amidst uniformity) کی مثالیں موجود ہیں۔ استثناء (exception) اُس کو کہا جاتا ہے جو عام قانون کے خلاف ہو، جو عام قانون کی پابندی نہ کرے:

Exception: That does not follow the rule

نیچر میں اِس معاملے کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ ہر عورت اور ہر مرد کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ یہ انگلیاں ہر ایک میں یکساں طور پر ہوتی ہیں۔ لیکن ہر ایک کے ہاتھ میں اس کے انگوٹھے کا نشان (finger print) ایک جیسا نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا نشان دوسرے کے نشان سے الگ ہوتا ہے۔ اِس عموم میں یہ استثناء ایک برتر ہستی کی بالقصد مداخلت کے بغیر ممکن نہیں۔

نیچر میں اِس قسم کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق، خلا میں تقریباً 125 بلین کہکشائیں موجود ہیں۔ ہر کہکشاں (galaxy) کے اندر تقریباً 200 بلین ستارے پائے جاتے ہیں۔ لیکن شمسی نظام (solar system) ایک استثنائی نظام ہے جو صرف ہماری اُس قریبی کہکشاں میں پایا جاتا ہے جس کو ملکی وے (milky way) کہا جاتا ہے۔ عظیم کائنات میں یہ استثناء ایک طاقت ور ہستی کی بالقصد مداخلت کے بغیر نہیں ہوسکتا:

> Exception means intervention, and when intervention is proved, intervenor is also proved. And intervenor is only the other name of God.

ہماری کہکشاں جس میں شمسی نظام واقع ہے، وہ اِس نوعیت کی ایک انوکھی مثال ہے۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ اِس کہکشاں کا درمیانی حصہ ناقابلِ برداشت حد تک گرم ہے۔ اگر ہمارا شمسی نظام، کہکشاں کے درمیانی حصے میں ہوتو ہماری زمین پر کسی قسم کی زندگی اور نباتات کا وجود ہی ممکن نہ رہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارا شمسی نظام، کہکشاں کے ایک کنارے واقع ہے۔ اِس بنا پر وہ کہکشاں کے پُرخطر درمیانی ماحول کے اثر سے بچا ہوا ہے۔ یہ استثناء واضح طور پر ایک منصوبہ بند مداخلت کا ثبوت ہے، اور منصوبہ بند مداخلت بلاشبہہ خدائے برتر کی موجودگی کا ثبوت ہے۔

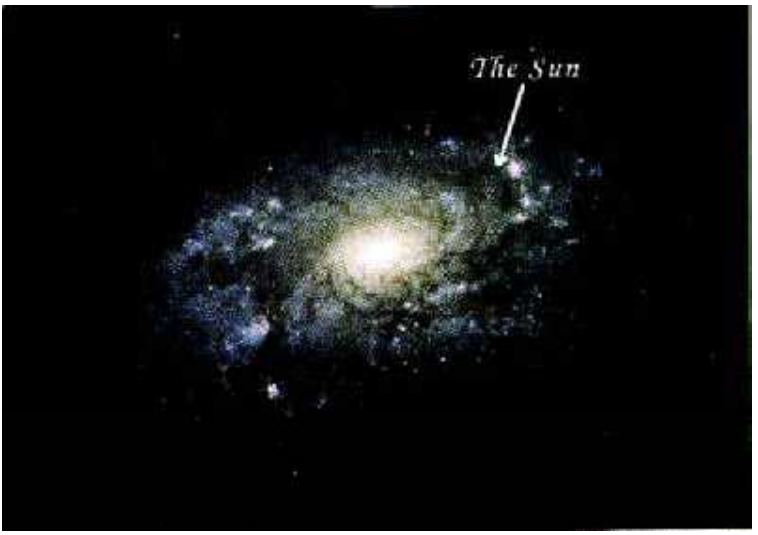

You can see the approximate location of our solar family in another spiral galaxy similar to ours. The centre of the galaxy is a very dangerous place. Being in the outskirts of the galaxy. we can live safely from the hectic activities at the centre.

ہمارے شمسی نظام کے اندر بہت سے سیارے (planets) پائے جاتے ہیں۔ اُنھیں میں سے ایک سیارہ وہ ہے جس کو زمین کہا جاتا ہے۔ دوسرے تمام سیارے اپنے مدار (orbit) پر گھومتے ہیں۔ مگر ہماری زمین اپنے مدار پر گردش کرتے ہوئے اپنے محور (axis) پر بھی گھومتی ہے۔ زمین کی یہ دہری گردش (double rotation) ایک انتہائی استثنائی گردش ہے جو کسی بھی ستارے یا سیارے میں نہیں پائی جاتی۔ یہ استثناء اِس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے پیچھے ایک ایسے برتر عامل کو تسلیم کیا جائے جس نے اپنی خصوصی مداخلت کے ذریعے یہ بامعنیٰ استثناء خلا میں قائم کر رکھا ہے۔

ہماری زمین پر استثناء کی ایک ایسی انوکھی مثال پائی جاتی ہے، جو ساری کائنات میں کہیں بھی موجود نہیں، یہ لائف سپورٹ سسٹم (life support system) ہے۔ اِس لائف سپورٹ سسٹم کے بغیر زمین پر انسان کا یا کسی اور نوعِ حیات کا وجود ممکن نہ تھا۔ لائف سپورٹ سسٹم کا یہ استثنائی انتظام خدا کی موجودگی کا ایک ایسا ثبوت ہے جس کا انکار کوئی سنجیدہ انسان نہیں کرسکتا۔

البرٹ آئن سٹائن (وفات: 1955) کو بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا سائنسی دماغ

مانا جاتا ہے۔ آئن سٹائن نے کائنات کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اُس نے کائنات کے ہر حصے میں حیرت ناک حد تک معنویت (meaning) پائی۔ یہ دیکھ کر اُس نے کہا کہ — عالم فطرت کے بارے میں سب سے زیادہ ناقابلِ فہم بات یہ ہے کہ وہ قابلِ فہم ہے:

The most incomprehensible fact about
nature is that it is comprehensible.

آئن سٹائن اپنے اِس قول میں بالواسطہ طور پر خدا کے وجود کا اقرار کر رہا ہے۔ اگر اس کے قول کو بدل کر کہا جائے تو وہ اِس طرح ہوگا کہ — خدا کے بغیر عالمِ فطرت مکمل طور پر ناقابلِ فہم رہتا ہے، اور خدا کے ساتھ عالمِ فطرت مکمل طور پر قابلِ فہم بن جاتا ہے:

Without God, nature is totally inocmprehensible, and
with God, nature becomes totally comprehensible.

کائنات بلاشبہہ ایک بامعنی کائنات (meaningful world) ہے۔ سائنس داں وہ لوگ ہیں جو کائنات کا نہایت گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ عام انسان کے مقابلے میں کائنات کی معنویت سے بہت زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ چناں چہ سائنس دانوں نے عام طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ سائنس داں اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر "خدا" (God) کا لفظ بولنے سے احتراز کرتے ہیں۔ لیکن نام کے بغیر وہ اِس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

مثلاً برٹش سائنس داں سر جیمز جینز (وفات: 1947) نے اپنی کتاب (The Mysterious Universe) میں کہا ہے کہ کائنات ایک ریاضیاتی ذہن (mathematical) کی شہادت دیتی ہے۔ برٹش عالمِ فلکیات سر فریڈ ہائل (وفات: 2001) نے اس حقیقت کا اعتراف یہ کہہ کر کیا ہے کہ ہماری کائنات ایک ذہین کائنات (intelligent universe) ہے۔ امریکی سائنس داں پال ڈیویز (Paul Davis) نے اقرار کیا ہے کہ کائنات کے پیچھے ایک باشعور ہستی (conscious being) موجود ہے۔ برٹش سائنس داں سر آرتھر اڈنگٹن (وفات: 1944) نے اِس حقیقت کا اعتراف یہ کہہ کر کیا ہے کہ کائنات کا مادّہ ایک ذہین مادہ ہے:

The stuff of the world is mind-stuff

خدا کا وجود بلاشبہہ اُس طرح ایک ثابت شدہ واقعہ ہے جس طرح کوئی اور ثابت شدہ واقعہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا وجود صرف ایک پُراسرار عقیدہ کی بات نہیں، خدا کا وجود اُس طرح ایک علمی مسلّمہ ہے جس طرح کوئی اور علمی مسلّمہ۔ اب یہ سوال ہے کہ خدا ایک ہے یا کئی خدا ہیں جو کائنات کی تخلیق اور اس کے انتظام کے ذمّے دار ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خدا کا عقیدہ شرک پر مبنی ہے یا توحید پر۔ اِس معاملے میں علم کا فیصلہ مکمل طور پر توحید کے حق میں ہے۔

برٹش سائنس داں نیوٹن کو جدید سائنس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ نیوٹن سے پہلے دنیا میں توہمات (superstitions) کا زور تھا۔ اُس وقت یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ خداؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً سن گاڈ (sun god)، مون گاڈ (moon god)، رین گاڈ (rain god)، وغیرہ۔ نیوٹن نے اِس معاملے کا سائنسی مطالعہ کیا۔ اُس نے کہا کہ چار طاقتیں (forces) ہیں جو کائنات کے نظام کو کنٹرول کرتی ہیں۔ وہ چار طاقتیں یہ ہیں:

1- قوتِ کشش (gravitational force)

2- برقی مقناطیسی قوت (electromagnetic force)

3- طاقت ور نیوکلیر قوت (strong nuclear force)

4- کم زور نیوکلیر قوت (weak nuclear force)

مگر سائنسی مطالعے کے ذریعے جو دنیا دریافت ہوئی، اُس میں اتنی زیادہ ہم آہنگی (harmony) پائی جاتی تھی کہ یہ ناقابلِ تصور تھا کہ اتنی زیادہ ہم آہنگ کائنات کو کئی طاقتیں کنٹرول کر رہی ہوں۔ اِس لیے سائنسی ذہن اِس تعدّد پر مطمئن نہ تھا۔ مختلف سائنس داں اِس تعداد کو گھٹانے کے لیے کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ 1979 میں ایک نئی تحقیق سامنے آئی۔ اِس تحقیق کے مطابق، کائنات کو کنٹرول کرنے والی طاقتیں چار نہیں تھیں، بلکہ وہ صرف تین تھیں۔ اِس دریافت تک پہنچنے والے تین نوبل انعام یافتہ سائنس داں تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں:

Sheldon Glashow (b. 1932), Steven Weingberg (b. 1933)
Dr. Abdussalam (d. 1996)

تاہم سائنسی ذہن تین کی تعداد پر بھی مطمئن نہ تھا۔ وہ اِس تعداد کو مزید گھٹا کر ایک تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ کام برٹش سائنس داں اسٹفن ہاکنگ (پیدائش: 1942) کے ذریعے انجام پایا۔ اسٹفن ہاکنگ کو نظریاتی سائنس میں سب سے بڑا زندہ سائنس داں مانا جاتا ہے۔ اس نے پیچیدہ ریاضیاتی حساب (mathemetical calculations) کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف ایک طاقت (force) ہے جو پوری کائنات کو کنٹرول کر رہی ہے۔ یہ نظریہ اب تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان ایک مسلّمہ کے طور پر مان لیا گیا ہے۔ عمومی زبان میں اس کو سنگل اسٹرنگ نظریہ (single string theory) کہا جاتا ہے۔

سنگل اسٹرنگ نظریہ گویا کہ ایک خدا (توحیدِ الٰہ) کے عقیدے کے حق میں ایک سائنسی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ مذہبی عقیدے کو علمی مسلّمہ کی حیثیت دے رہا ہے۔ اب خالص سائنس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس کائنات کا ایک خدا ہے۔ یہ خدا ایک ہے اور صرف ایک:

The concept of God is purely a scientific concept, and this God is one and one alone.

نوٹ: یہ تقریر انگریزی زبان میں 9 مئی 2009 کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں کی گئی۔

Watch Maulana Wahiduddin Khan's

lectures on USTREAM .tv

English — Saturday 5.30 pm (IST)
Urdu — Sunday 10.30 pm (IST)

Visit alrisala.org for the link

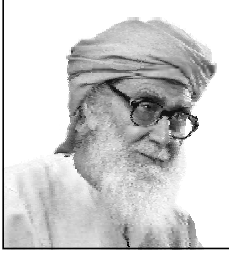

Watch Maulana Wahiduddin Khan on

ETV Urdu

Tue and Wed 10.30 pm
Sat and Sun 6.00 am

دو چیزوں میں فرق

9 مئی 2009 کی شام کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) کے ہال میں میری تقریر تھی۔ یہ ایک گھنٹے کا پروگرام تھا۔ میری تقریر کا عنوان یہ تھا— خدا کی دریافت کس طرح کی جائے:

How to discover God?

ہال سامعین سے پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ اِس پروگرام میں دہلی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم اور غیر مسلم افراد بڑی تعداد میں شریک تھے۔ میں نے خدا کے وجود پر سائنسی دلائل دیے۔ عجیب بات ہے کہ حاضرین میں سے کسی ایک شخص نے بھی خدا کے وجود کے بارے میں سائنسی دلائل پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ بہت سے لوگوں نے سوالات کیے، لیکن اُن کے سوالات سب کے سب انسانی دنیا میں پائے جانے والے فساد کے مسائل (problems of evil) سے تعلق رکھتے تھے۔

اِس طرح کے تجربات سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا کے نفسِ وجود پر کسی کو شبہہ نہیں۔ سائنس نے عالمِ طبیعیات (physical world) میں جو معنیٰ خیز حقیقتیں دریافت کی ہیں، اُن کے بعد لوگوں کو خدا کے وجود پر کوئی شک باقی نہیں رہا۔ البتہ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر خدا کا وجود ہے تو انسانی دنیا میں اتنی زیادہ برائیاں کیوں ہیں۔

اِس طرح مجھے بار بار غیر مسلموں کے اجتماعات میں اسلام کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے پایا ہے کہ لوگوں کو بحیثیت مذہب، اسلام کے بارے میں کوئی شک نہیں۔ مگر یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام اگر اتنا اچھا مذہب ہے تو موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں اتنا زیادہ بگاڑ کیوں پایا جاتا ہے۔ اِن تجربات کی روشنی میں میں نے یہ سمجھا ہے کہ اس زمانے میں داعیوں کو دو ضروری کام کرنا ہے— ایک، خدا کی نسبت سے اور دوسرا، اسلام کی نسبت سے۔ پہلا کام ہے خدا اور انسان کے درمیان فرق کرنا، اور دوسرا کام ہے، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان فرق کرنا:

First, to differentiate God from man,
Second, to differentiate Islam from Muslims.

معاش کا مسئلہ

اکثر لوگ اپنی معاش کے بارے میں پریشان رہتے ہیں۔ غور کیا جائے تو اِس کا سبب بنیادی طور پر دو ہوتا ہے — ایک، اپنے کاروبار کو ناقابلِ تنظیم حد (unmanageable limit) تک بڑھا لینا۔ دوسرے، آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا۔ یہ دونوں عادتیں بلاشبہہ غلط عادتیں ہیں۔ لیکن اکثر لوگ اِن دونوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر وہ غیر ضروری طور پر پریشان رہتے ہیں۔

معاش کا مسئلہ ہر آدمی کا مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کو حقیقت پسندانہ انداز میں انجام دیا جائے تو وہ اپنے فطری حدود میں رہے گا اور کسی غیر ضروری پریشانی کا باعث نہ بنے گا۔ لیکن اگر اِس مسئلے کی تنظیم کے لیے حقیقت پسندی کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ جذبات اور خواہشات کی بنیاد پر اس کو چلایا جائے تو وہ پریشانیوں کا باعث بن جائے گا۔

معاشیات کے معاملے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنی استعداد اور اپنے مسائل کا بے لاگ جائزہ لیا جائے اور اس کے مطابق، اپنی معاشیات کی منصوبہ بندی کی جائے۔ اِس معاملے میں ایڈونچرازم (adventurism) کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ ایڈونچرازم کا طریقہ اتفاقی طور پر کسی کے لیے مفید ہوسکتا ہے، لیکن ایڈونچرازم کے طریقے کو ایک عمومی اصول کے طور پر اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

اِس سلسلے میں دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنی آمدنی اور اپنے خرچ کے معاملے میں توازن قائم کیا جائے۔ کسی بھی حال میں، یا کسی بھی عذر کی بنا پر اپنی آمدنی کے مقابلے میں اپنے خرچ کو نہ بڑھایا جائے۔ اِسی طریقے کو آمدنی اور خرچ کے درمیان توازن کہا جاسکتا ہے۔ یہ توازن ہر ایک کے لیے ضروری ہے، حتی کہ ایسی قوموں کے لیے بھی جن کو سپر پاور (super power) کہا جاتا ہے۔ مذکورہ دونوں اصول فطرت کے اصول ہیں۔ اِس دنیا میں کوئی بھی شخص فطرت کے اصول کو نظر انداز کر کے کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ فطرت کا اصول ایک اٹل عالمی اصول ہے، اس میں کسی بھی شخص یا قوم کا کوئی استثناء (exception) نہیں۔

تخلیقی صلاحیت

موجودہ زمانے میں ایک ریسرچ اقلیت (minority) اور اکثریت (majority) کے موضوع پر ہوئی ہے۔ اِس تحقیق سے کئی ایسی حقیقتیں سامنے آئی ہیں جو اِس سے پہلے لوگوں کو معلوم نہ تھیں۔ اُن میں سے ایک حقیقت وہ ہے جس کو تخلیقیت (creativity) کہا جاتا ہے، یعنی حالات کے زیر اثر آدمی کے اندر نئی فکری یا عملی خصوصیات کا پیدا ہونا:

Creativity: The ability to produce something new.

اصل یہ ہے کہ جب کسی سماج میں دو گروپ ہوں — اقلیتی گروپ، اور اکثریتی گروپ، تو فطری قانون کے مطابق، وہاں چیلنج کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس چیلنج کے نتیجے میں وہاں ایک خاموش عمل (process) جاری ہوتا ہے۔ وہ عمل ہے — اقلیتی گروہ کی تخلیقی صلاحیت کو بڑھانا، اقلیتی گروہ کے اندر طاقت ور داعیہ (incentive) پیدا کر کے اس کو مسلسل ترقی کی طرف لے جانا۔

یہ عمل ہر اُس ملک میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں اقلیت اور اکثریت دونوں قسم کے گروہ موجود ہوں۔ ایسے ماحول میں، اقلیتی گروہ کے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کا عمل ہر حال میں جاری ہوتا ہے، خواہ اُس کے لیے کوئی براہِ راست کوشش کی گئی ہو، یا نہ کی گئی ہو۔ فطرت کے عمل (process) کو اگر روکا نہ جائے تو وہ اپنے آپ جاری ہوتا ہے، اور اپنے آخری انجام تک پہنچتا ہے۔

تخلیقیت (creativity) کے اِس عمل کو روکنے والی چیز صرف ایک ہے، اور وہ ہے اقلیتی گروہ کے اندر متشددانہ مزاج کا پیدا ہونا۔ اقلیتی گروہ کے اندر اگر ایسے ناعاقبت اندیش رہ نما پیدا ہو جائیں جو اپنی جذباتی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے لوگوں کے اندر منفی ذہن (negative thinking) پیدا کر کے اُن کو نفرت اور تشدد کے راستے پر ڈال دیں تو یقیناً یہ عمل رک جائے گا۔ بہ صورتِ دیگر، یہ عمل کسی حالت میں رکنے والا نہیں۔ یہ فطرت کا فیصلہ ہے۔ اور فطرت کے فیصلے کو خودکُشی (suicide) کے سوا کوئی اور چیز روکنے والی نہیں۔

پختگی کیا ہے

انسانوں میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں— ناپختہ ذہن والے، اور پختہ ذہن والے۔ ناپختہ ذہن وہ ہے جو جذباتی طور پر سوچے، جو رومانی خیالات میں جیتا ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے، نہ کہ حقائقِ حیات کی۔ اِس کے مقابلے میں پختہ ذہن والا انسان وہ ہے جو اپنے جذبات سے اوپر اٹھ کر حقیقتوں کو سمجھے، جو اپنے ذہنی خول سے باہر آ کر چیزوں کو دیکھے اور حقیقت پسندانہ انداز میں اپنی رائے قائم کرے۔ پختگی (maturity) اِس صلاحیت کا نام ہے کہ آدمی اُن چیزوں کے ساتھ نارمل طریقے سے رہ سکے جن کو وہ بدل نہیں سکتا:

Maturity is the ability to live with things you can not change.

ہر آدمی اپنی سوچ اور اپنے جذبات کے لحاظ سے ایک مستقل ہستی ہے، وہ اپنے آپ میں ایک کائنات ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ جیسے چاہتا ہے، ویسے دنیا میں رہے۔ وہ اپنے خوابوں کے مطابق ایک پسندیدہ دنیا کی تعمیر کر سکے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسی دنیا میں رہنا پڑتا ہے جس کو اس نے خود نہیں بنایا ہے۔ وہ ایک ایسے ماحول میں جینے پر مجبور ہے جس کی تشکیل اس نے خود نہیں کی۔ ایسی حالت میں کسی عورت یا مرد کے لیے صرف دو میں سے ایک کا انتخاب ہے— یا تو وہ دنیا سے عدم موافقت کی پالیسی اختیار کر کے خودکشی کر لے، ذہنی خودکشی یا جسمانی خودکشی۔ اس کے لیے دوسرا انتخاب یہ ہے کہ وہ بظاہر غیر مطلوب دنیا کے ساتھ موافقت کرنے کا آرٹ سیکھے، وہ ناممکن سے نہ ٹکرائے اور صرف ممکن کے دائرے میں رہتے ہوئے زندگی گزارے۔

موجودہ دنیا میں ایڈجسٹ مینٹ کی پالیسی ہی واحد قابلِ عمل پالیسی ہے۔ ایڈجسٹ مینٹ کے ذریعے یہ ممکن ہوتا ہے کہ آدمی اپنی توانائی کو ضائع ہونے سے بچائے۔ وہ غیر ضروری ٹنشن (tension) سے محفوظ رہ کر اپنا مطلوب عمل انجام دے سکے۔ وہ درمیان میں رکے بغیر اپنے سفر کو جاری رکھے، یہاں تک کہ اپنی آخری منزل پر پہنچ جائے۔

ایک مہلک عادت

زندگی کی ایک صراطِ مستقیم ہے، یعنی سیدھا راستہ جو شخص اِس صراطِ مستقیم پر چلے، وہ لازمی طور پر کامیابی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اِس سفر میں رکاوٹ ڈالنے والی صرف ایک چیز ہے، اور وہ ڈسٹریکشن (distraction) ہے، یعنی اِدھر اُدھر کی چیزوں کی طرف بھٹک جانا اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہو جانا۔ جنت میں آدمی کے لیے جو شجرِ ممنوعہ تھا، وہ دراصل اِسی ڈسٹریکشن کی علامت تھا۔ اِس کے ذریعے آغاز حیات ہی میں انسان کو بتا دیا گیا کہ جس دنیا میں تم کو امتحان کے لیے بسایا جا رہا ہے، وہاں تمھارے لیے بہت سے اشجارِ ممنوعہ، یعنی ڈسٹریکشن کے اسباب ہوں گے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو اِن اشجارِ ممنوعہ کی طرف بھٹکنے سے بچایا تو تم کامیابی کے ساتھ دوبارہ اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے، ورنہ دوبارہ تم کو جنت ملنے والی نہیں۔

یہ ڈسٹریکشن مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ آدمی اگر غور وفکر سے کام لے تو پہچان کر اپنے آپ کو ڈسٹریکشن سے بچا سکتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ خطرناک ڈسٹریکشن وہ ہے جو آدمی کی زندگی میں عادت بن کر داخل ہو جائے۔ آدمی جس چیز کا عادی ہو جاتا ہے، وہ اُس کو سوچے بغیر کرنے لگتا ہے، وہ اس کے غیر شعوری عمل کا حصہ بن جاتا ہے۔

موجودہ زمانے میں اِس قسم کی بہت سی نئی عادتیں پیدا ہوئی ہیں۔ لوگ بری طرح اُن کے عادی ہو گئے ہیں۔ اُنھیں میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے لوگ ٹیلی فون اڈکٹ (telephone-addict) بنے ہوئے ہیں۔ وہ اتنے زیادہ ٹیلی فون کے عادی ہو گئے ہیں کہ ٹیلی فون کے بغیر ان کو چین نہیں آتا۔ اِس تباہ کن عادت نے لوگوں کو ایک بہت بڑی محرومی میں مبتلا کر دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دماغ دیا تھا، تاکہ وہ بڑی بڑی باتوں کو سوچے اور بڑی بڑی حقیقتوں کو دریافت کرے، لیکن ہر آدمی موبائل لیے ہوئے چھوٹی چھوٹی بے کار باتوں میں مشغول رہتا ہے، اس کے پاس بڑی بڑی باتوں پر غور کرنے کے لیے وقت ہی نہیں۔

سوال

ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں الرسالہ سے پورا اتفاق رکھتا ہوں۔ مگر ایک چیز سے میں ابھی تک پورا اتفاق نہ کرسکا۔ وہ یہ کہ الرسالہ میں مثبت انداز میں کام کرنے کو کہا جاتا ہے، مگر خود الرسالہ میں تنقیدی اسلوب پایا جاتا ہے۔ حالاں کہ تنقید کا اسلوب منفی اسلوب ہے۔ مزید یہ کہ الرسالہ کی تنقید یک طرفہ تنقید ہوتی ہے۔ اس میں زیر تنقید شخص کے مثبت پہلو کو عام طور پر بیان نہیں کیا جاتا۔ (ایک قاری الرسالہ، نئی دہلی)

جواب

ماہ نامہ الرسالہ میں کبھی یہ نہیں لکھا گیا کہ تنقیدی اسلوب درست نہیں۔ الرسالہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ صرف منفی اسلوب کے بارے میں ہے، نہ کہ تنقیدی اسلوب کے بارے میں۔ منفی اسلوب میں دو قسم کی چیزیں شامل ہیں — شکایتی اسلوب، اور عیب زنی کا اسلوب۔ یہ دونوں چیزیں بلاشبہہ حرام کے درجے میں قابلِ ترک ہیں۔ جہاں تک تنقیدی اسلوب کی بات ہے، وہ سرے سے قابل اعتراض ہی نہیں۔ تنقید کے بغیر کبھی ذہنی ترقی نہیں ہوسکتی۔ تاہم تنقید سے مراد تنقیص نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد علمی تجزیہ ہے۔ اور علمی تجزیہ ہمیشہ نہایت مفید ہوتا ہے۔ الرسالہ میں جو تنقید ہوتی ہے، وہ ہمیشہ علمی تجزیہ کے معنیٰ میں ہوتی ہے، نہ کہ شکایتی اسلوب، اور عیب زنی کے اسلوب کے معنی میں۔

اصل یہ ہے کہ لوگوں نے خود ساختہ طور پر بعض شخصیتوں کو اکابر کا درجہ دے رکھا ہے۔ اس لیے جب اُن کے مفروضہ اکابر پر تنقید کی جائے تو اِس سے اُنھیں تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر ملت کے افراد کو اصاغر اور اکابر میں تقسیم کرنا بجائے خود ایک بدعت ہے، اور بدعت کو حدیث میں ضلالت کہا گیا ہے۔

اسلوبِ کلام کے دو طریقے ہیں — ایک، اصلاحی اسلوب، اور دوسرا، قانونی اسلوب۔ دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ اِس لیے دونوں کا انداز یکساں نہیں ہوسکتا۔

اصلاحی اسلوب کا مقصد کسی شخص یا اشخاص کی اصلاح ہوتا ہے۔ اِس لیے حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ سارا زور کمی والے پہلو پر دیا جائے، تاکہ آدمی کا ذہن اس کو پکڑ سکے۔ اصلاحی اسلوب میں

اگر ''عیب مے جملہ بہ گفتی، ہنرش نیز بگو'' کا طریقہ اختیار کیا جائے تو کلام بے اثر ہوکر رہ جائے گا۔ مثلاً حضرت عائشہ سے ایک بار بتایا گیا کہ ابو بریرہ فلاں حدیث بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: کذب أبو هريرة (ابو ہریرۃ نے جھوٹ کہا)۔ حضرت عائشہ نے یہ انداز اختیار نہیں کیا کہ پہلے وہ حضرت ابو ہریرہ کے تمام کارنامے بیان کریں اور اس کے بعد یہ کہیں کہ صرف ایک حدیث کے بیان میں ابو ہریرہ سے غلطی ہوگئی ہے۔ اِس قسم کا ''متوازن'' طریقہ رسول نے یا اصحابِ رسول نے کبھی اختیار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا طریقہ متوازن طریقہ نہیں ہے، بلکہ وہ غیر مفید طریقہ ہے۔ واضح رہے کہ قانونی اسلوب میں مختلف پہلوؤں کا احاطہ مقصود ہوتا ہے۔ لیکن اصلاحی اسلوب یہ ہے کہ دوسرے تمام پہلوؤں کو چھوڑ کر صرف اُس پہلو کو بیان کیا جائے جو موقع کی نسبت سے مطلوب ہے۔ یہی اصلاح یا دعوت کا صحیح اسلوب ہے، اور یہی وہ اسلوب ہے جس سے حقیقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

سوال

میں دعوتی کام کرتا ہوں۔ مگر دعوتی کام کے دوران میں نے پایا ہے کہ کچھ لوگ لمبی لمبی بحثیں کرتے ہیں۔ میں اُن کو بہت زیادہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، مگر وہ مطمئن نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں مجھ کو کیا کرنا چاہیے (ایک قاری الرسالہ، حیدرآباد)

جواب

اصل یہ ہے کہ جب آپ ایک شخص سے براہِ راست گفتگو کریں تو اِس میں آپ اور دوسرا شخص دونوں آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ اِس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ گفتگو کے دوران ایگو پرابلم (ego problem) پیدا ہوجاتا ہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ احساس جاگ اٹھتا ہے کہ میں دوسرے کی بات کیوں مانوں۔ اگر میں نے دوسرے کی بات مانی تو میں اس کے مقابلے میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔ اِس لیے دعوت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب تک آپ دیکھیں کہ گفتگو سنجیدہ انداز میں ہو رہی ہے، تو آپ اپنی گفتگو جاری رکھیں، ورنہ آپ اُس کو مطالعے کے لیے کوئی کتاب پیش کردیں۔ آدمی جب کتاب پڑھتا ہے تو ایک طرف وہ خود ہوتا ہے اور دوسری طرف صرف ایک کتاب، نہ کہ اُس کے

جیسا کوئی انسان۔ اِس لیے کتاب کے مطالعے میں ایگو پرابلم نہیں ہوتا۔ آدمی کھلے ذہن کے تحت پڑھتا ہے اور کھلے ذہن کے تحت اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس طریقے کا نام حکمتِ دعوت ہے، اور حکمت کے بغیر دعوت کا کام مؤثر طور پر نہیں ہوسکتا۔

سوال

عرض ہے کہ میں دس سال سے دل چسپی کے ساتھ ماہ نامہ الرسالہ کا مطالعہ کررہا ہوں۔ الرسالہ کا تازہ شمارہ جب آتا ہے تو میں ایک ہی نشست میں اس کو پڑھ ڈالتا ہوں۔ الرسالہ کے بعد اب کوئی اور چیز پڑھنے کا جی نہیں چاہتا۔ براہِ کرم، میری رہنمائی فرمائیں (ایک قاری الرسالہ، علی گڑھ)

جواب

آپ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الرسالہ کو ایک دلچسپ ریڈنگ میٹریل کے طور پر پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ الرسالہ کی تصغیر (underestimation) ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے الرسالہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ الرسالہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ذہنی تفریح کا سامان فراہم کیا جائے۔ الرسالہ کا مقصد فکری، دینی اور اخلاقی اصلاح ہے۔

الرسالہ کا پڑھنے والا وہ ہے جو یہ کہے کہ الرسالہ کے مطالعہ نے میری سوچ کو بدل دیا۔ الرسالہ کے مطالعہ نے میرے منفی مزاج کا خاتمہ کردیا۔ الرسالہ کے مطالعہ کے ذریعہ میں نے اسلام کو دوبارہ دریافت کیا۔ الرسالہ کے مطالعہ نے مجھے خدا سے ڈرنے والا بنادیا۔ الرسالہ کے مطالعہ کے ذریعہ میں نے جانا کہ دعوت الی اللہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ الرسالہ کے مطالعہ نے میری زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔ الرسالہ کے مطالعہ کے ذریعہ میں نے جانا کہ اسلام کا ریلونس (relevance) موجودہ زمانے میں کیا ہے۔ الرسالہ کے مطالعہ کے ذریعہ میں نے جانا کہ اسلام کچھ رسمی اعمال کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ اسلام دراصل یہ ہے کہ آدمی مسلسل طور پر ذہنی ارتقا (intellectual development) کا عمل کرے۔ الرسالہ کے مطالعہ کے ذریعہ میں نے جانا کہ تزکیہ کسی پراسرار چیز کا نام نہیں، بلکہ وہ ربّانی اصولوں پر پرتعمیرِ شخصیت (personality development) کا نام ہے۔

الرسالہ کا قاری وہ ہے جس کے اندر الرسالہ کے مطالعہ سے تخلیقی فکر (creative thinking) پیدا ہو۔ جو چیزوں کو ان کے ظاہری پہلو (face value) پر نہ لے، بلکہ وہ چیزوں کو زیادہ گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے۔ جو جذباتی اندازِ فکر کو ترک کر کے حقیقت پسندانہ انداز اختیار کرے۔ جو شکایتی معاملات میں ہمیشہ اپنی غلطی دریافت کرے، نہ کہ دوسروں کو غلط بتا کر ان کے خلاف بولنا شروع کر دے۔ الرسالہ کا قاری وہ ہے جو معاملات میں کھلے طور پر یہ کہہ سکے کہ میں غلطی پر تھا:

I was wrong.

الرسالہ کا قاری وہ ہے جو منفی اندازِ فکر (negative thinking) کی برائی کو شعوری طور پر دریافت کرے اور اس کو مکمل طور پر چھوڑ دے۔ جو فطرت کے اس قانون کو سمجھے کہ اس دنیا میں ہر طرف کنورژن (conversion) کا اصول ہے۔ یہی اصول انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ ہر حال میں مثبت سوچ کو برقرار رکھے، وہ منفی تجربہ کو مثبت سبق میں تبدیل کر سکے:

Converting negative experiences into positive experiences inspite of all provocation.

سوال

ماہ نامہ الرسالہ (اگست 2009) میں میں نے ایک مضمون ''ترجیح کی غلطی'' پڑھا۔ اس مضمون میں آپ نے مولانا مودودی کی ایک بات نقل کی ہے، جس میں مولانا مودودی نے اپنے بچوں سے کہا تھا کہ — میں اپنے تحریکی کاموں کی وجہ سے تمھاری تربیت نہ کر سکا، ورنہ میں تمھیں دنیا کی مثالی اولاد بناتا۔ ایک صاحب نے اِس مضمون کو پڑھ کر کہا کہ یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے کہ مولانا مودودی نے اپنے بچوں کی تربیت پر توجہ نہیں دی۔ کیوں کہ بعض انبیاء بھی اپنے بچوں کی تربیت میں کامیاب نہ ہو سکے، مثلاً نوح علیہ السلام۔ براہِ کرم، اِس بات کی وضاحت فرمائیں (شاہ عمران حسن، نئی دہلی)۔

جواب

یہ سوال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آپ الرسالہ کے مضمون کو غور سے پڑھیں تو آپ پائیں گے کہ

اُس میں دو باتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں — ایک ہے، اپنی حد تک توجہ دینا۔ اور دوسرا ہے توجہ کے باوجود اس کا نتیجہ نہ نکلنا۔ دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جس کو عربی میں کہا جاتا ہے: شتّان ما بینهما۔

اصل یہ ہے کہ انسان توجہ دینے کا مکلّف ہے، لیکن وہ توجہ کا نتیجہ نکالنے کا مکلّف نہیں۔ قرآن میں آیا ہے کہ: قوا أنفسكم وأهليكم ناراً (التحریم: 6)۔ اِس آیت کے مطابق، حکم کے درجے میں ضروری ہے کہ ہر باپ اپنی اولاد کی اِس طرح تربیت کرے کہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ سکے۔ یہ کوشش ہر باپ پر فرض ہے، لیکن جہاں تک کوشش کے نتیجے کا معاملہ ہے، وہ خود اولاد کے بس میں ہوتا ہے۔ اگر اولاد اپنے باپ کی تربیتی کوشش کو قبول کرے تو اس کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اور اگر اولاد باپ کی تربیتی کوشش کو قبول نہ کرے تو اس کا نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔

قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کی اصلاح کے لیے بطور خود ساری کوشش کی۔ انھوں نے اپنی طرف سے اِس معاملے کوئی کمی نہیں کی۔ لیکن بیٹے نے آپ کی اصلاحی کوشش کو قبول نہیں کیا، اِس لیے اس کا مطلوب نتیجہ نہیں نکلا۔ ایسی حالت میں ساری ذمے داری بیٹے کی ہے، نہ کہ باپ کی۔ اس کے برعکس، الرسالہ میں ایک مسلم رہنما کی جو مثال دی گئی ہے، اُس میں خود مذکورہ مسلم رہنما نے اپنی زبان سے یہ اقرار کیا ہے کہ ان کی اولاد کی نسبت سے اُن کے اوپر جو اصلاحی کوشش فرض تھی، اس کو انھوں نے انجام نہیں دیا۔ ایسی حالت میں حضرت نوح کی مثال مذکورہ واقعے کی نسبت سے ایک غیر متعلق (irrelevant) مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

The Quran

in simple and
contemporary English
Translated by
Maulana Wahiduddin Khan

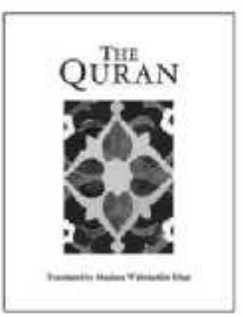

1- یکم مئی 2009 کو سہارن پور (محلّہ ایودھیا پورم) میں حلقہ الرسالہ کا ایک اجتماع ہوا۔ اس کا انتظام ڈاکٹر محمد اسلم سہارن پوری نے کیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اپنی ٹیم کے پانچ افراد کے ساتھ اس میں شرکت کی۔ ڈاکٹر اسلم نے سہارن پور شہر میں سی پی ایس انٹرنیشنل کی ایک برانچ قائم کی ہے۔ انھوں نے ایک وسیع بلڈنگ میں ''پیس ہال'' کے نام سے ایک بڑا اور کشادہ ہال بنایا ہے۔ اِس میں ماہانہ اجتماع ہوتا ہے۔ اِس سنٹر کے تحت غیر مسلموں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں دعوت الی اللہ کا کام جاری ہے۔ سفر کے دوران صدر اسلامی مرکز کے مختلف خطاب اور دیگر دعوتی پروگرام ہوئے جس میں مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ، قریبی اضلاع کے قارئین الرسالہ بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد پروگرام کا اختتام ہوا۔ یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ یہاں سہارن پور کے اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حاضرین کو اسلامی لٹریچر اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

2- الجزیرہ ٹی وی (انگلش) کی ٹیم نے 3 جون 2009 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اِس ٹیم کے نمائندہ مسٹر ماتھیو (Mathew Mcclure) تھے۔ 4 جون 2009 کو صدر امریکا براک اوباما قاہرہ یونی ورسٹی میں ایک اسپیچ دینے والے ہیں۔ یہ انٹرویو اِسی سے متعلق تھا۔ انٹرویور نے ایک سوال یہ کیا کہ مسئلہ فلسطین کے متعلق صدر امریکا کو آپ ایسا کوئی فارمولا دینا چاہیں گے جس کو وہ اپنی تقریر میں بیان کرسکیں۔ صدر اسلامی مرکز نے کہا کہ یہ ایک ٹوفولڈ فارمولا ہے— ایک، یہ کہ وہ اسرائیل کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ 1967 کی حد پر واپس لوٹ جائے۔ دوسرے، یہ کہ فلسطینی مسلمان فی الفور اپنی مسلح کارروائی بند کردیں۔ ان لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

3- نئی دہلی کے ہفت روزہ ہندی اخبار ''انڈین جنگ'' کے نمائندہ مسٹر تیش راج نے 15 جون 2009 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو کا موضوع 4 جون 2009 کو صدر اوباما کی تقریر تھی۔ ایک سوال یہ تھا کہ صدر اوباما نے اپنی تقریر کا آغاز بسم اللہ سے کیا تھا۔ ایسی حالت میں کیا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ موجودہ امریکی صدر پرو مسلم (pro-Muslims) ہیں۔ جواب میں بتایا گیا کہ یہ صرف اسٹیج کی ایک بولی ہے، اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

4- کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) میں 13-16 جون 2009 کو ایک انٹرنیشنل بک فیئر لگایا گیا۔ اِس میں گڈ ورڈ بکس کی طرف سے بڑی تعداد میں قرآن کا انگریزی ترجمہ لوگوں کو دیا گیا۔ یہاں ''اسلام ایکسپو'' کے موقع پر قرآن کا انگریزی ترجمہ لوگوں تک پہنچانے میں ''شیخ ایگزاٹک'' نے بڑے پیمانے پر حصہ لیا۔

5- 3-6 جولائی 2009 کو واشنگٹن ڈی سی میں منعقد ISNA Convention میں مسٹر ظفر اعظم (Khatoons Inc.) کی جانب سے انگریزی ترجمۂ قرآن بڑی تعداد میں لوگوں کو مطالعے کے لئے دیا گیا۔

6. Alhamdulillah, today's program (June 27, 2009) was so perfect in many respects that I prayed two *rak'a* of namaz immediately after the program. Sound, picture, content, clarity of the message and pronunciation all were

so good. Maulana was so clear that both UK and USA people will not have any problem in getting the message. This is really a miracle Allah has provided us USTREAM as a world stage to deliver the true message of Islam. (Khaja Kaleemuddin USA)

7- دلائی لاما کی سال گرہ کے موقع پر نئی دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے میر تقی میر ہال میں ایک خصوصی پروگرام ہوا۔ اِس میں شہر کے تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان شریک ہوئے۔ یہ پروگرام 6 جولائی 2009 کو ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور امن اور اسلام کے موضوع پر انگریزی زبان میں ایک تقریر کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی طرف سے حاضرین کو مطالعے کے لیے اسلامی لٹریچر اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

8- نئی دہلی کے کمانی آڈی ٹوریم میں 9 جولائی 2009 کی شام کو ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ اس کا انتظام سروودھرم سنسد (نئی دہلی) کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس میں ٹاپ کے لوگ شریک ہوئے۔ مثلاً نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر آر کے پاچوری، وغیرہ۔ اس پروگرام کا موضوع یہ تھا — جاگو اور جگاؤ، پرتھوی بچاؤ:

Wake Up and Awaken

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی، اور موضوع پر ایک تقریر کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی طرف سے حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔ ڈاکٹر پاچوری کو قرآن کے انگریزی ترجمہ کے علاوہ، یہ کتابیں دی گئیں:

God Arises, Ideology of Peace,
True Jihad, Man-made Global Warming

9- سائی انٹرنیشنل سنٹر (لودھی روڈ، نئی دہلی) کی طرف سے 11 جولائی 2009 کو ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا موضوع یہ تھا: Unity of Faiths

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ یہ تقریر انگریزی زبان میں تھی۔ کانفرنس میں ملک اور بیرون ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد موجود تھے۔ مثلاً سابق صدر ڈاکٹر عبد الکلام، وغیرہ۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی طرف سے حاضرین کو اسلامی لٹریچر اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

10. At a dinner organized by the Sai Centre at the India International Centre on July 11, 2009, I met Mr. Maharaja Krishna Rasgotra. Mr. Rasgotra is a former foreign secretary of India and former ambassador to Morocco, Nepal and France. He also served as India's high commissioner to England. Mr. Rasgotra asked me to share with him the Maulana's speech which had been delivered the same afternoon at the Sai Centre. I told him that the Maulana had explained to the audience that in a cow, man had a great example. That is, a cow was a divine industry that converted non-milk

(grass) into milk. Similarly, man had to convert the negativity around him into positivity. To this, he replied that though this was a good example. I then told him that the Maulana says that we must differentiate between Islam and Muslims and judge Muslims in the light of Islam and not vice versa.On July 12, 2009 — I attended a speech delivered by Mr. Rasgotra at the Sai Centre. In it he said: "Though yesterday I could not attend the various talks, I was told that Maulana Wahiduddin Khan spoke of differentiating between Islam and Muslims. I was struck by the thought." (Sadia Khan, New Delhi)

11- سائی انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں 21 جولائی 2009 کو ایک پروگرام ہوا۔ اِس پروگرام کا موضوع یہ تھا:

Advanced Refresher Course for Master
Trainer of Navodaya Vidyalayas.

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور انگریزی میں ایک گھنٹے کی تقریر کی۔ تقریر کا عنوان یہ تھا:

Do We Need A Single Universal Religion

یہاں ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد موجود تھے۔ سی پی ایس کی طرف سے اُن لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

12. Maulana, may Allah give you long life and health to serve more for the cause you have made quite known to the ummah through your published books and particularly through the Al-Risala. Here in Saudi Arabia I can download the PDF version of Al-Risala from the site. I am overwhelmingly enlightened by Al-Risala. (S. Mahmood Yahya, Riyadh)

13. I think that people like me are changing the old paradigm about Maulana here in Pakistan. I talk about his concepts, distribute his books among educated people. In my experience, I found out that people really like when I tell them that I have learned this concept from Maulana Wahiduddin Khan. Last week I talked about the concepts of "Violence a Forbidden Tree", my students love to hear that a scholar gives us the real picture of Islam. We Pakistanis don't believe that Maulana has any anti Pakistan sentiments, we love and respect him. (S. Khan, Karachi, Pakistan)

14- الرسالہ پابندی کے ساتھ زیر مطالعہ رہتا ہے، جو روح کو تازگی اور قلب کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ ہر شمارے میں انسانیت دوستی، مروت، نیکی اور اچھائی پر ابھارنے والی تحریریں ہوتی ہیں جس سے بلاشبہہ بے حد فائدہ ہوتا ہے۔ لوگوں سے، بالخصوص غیر مسلم حضرات سے گفتگو اور اسلام کی 'دعوت' دینے کا سلیقہ آتا ہے۔ مجھے اس حقیقت کے اعتراف

میں کوئی تامل نہیں ہے کہ الرسالہ کے مطالعہ سے قبل جب کوئی غیر مسلم اسلام پر اعتراض کرتا تھا یا اسلام کے بارے میں منفی سوچ رکھتا تھا تو میں اسے ترش روئی کے ساتھ اور الزامی انداز میں جواب دیتا تھا۔ مگر اب ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا، کیوں کہ الرسالہ ایک بہترین گائڈ ہے جو صحیح دعوہ ورک کی رہنمائی کر رہا ہے (محمود الحسن قاسمی، سہارن پور)۔

15. Some people came here from Canada for a dialogue about Islam. Allah guided us to answer them. Each one of them has carried Maulana's English translation of the Quran and also a few other books by Maulana. I am so grateful to Allah for helping them with the right literature on Islam. They were so happy when they came here and I pray that Allah gives them happiness in the Hereafter also. (Fatima Sarah, Bangalore)

16. God bless you for bringing out this translation of the Quran by Maulana Wahiduddin Khan. It is exceptionally good translation. The terminology used is good and understandable. (Anjum Rafiqui, Sydney)

17- ریاض (سعودی عرب) میں ایک ادارہ (The Message of Islam Foundation) ہے۔ ادارے کے شعبۂ انگریزی کے صدر مسٹر ابو عبد اللہ امتیاز نے اسلامی مرکز کو ایک خط لکھا۔ وہ اپنے ویب سائٹ پر اسلامی مرکز کی مطبوعات کو ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کو مطلوبہ چیزیں روانہ کر دی گئی ہیں۔

● براہِ کرم، ماہ نامہ الرسالہ کے اِجرا، اور کتابوں کی خریداری جیسے امور کے لیے سی پی ایس کے افراد یا صدر اسلامی مرکز سے رجوع کرنے کے بجائے، صرف دفتر الرسالہ سے براہِ راست طور پر رجوع کریں۔ نیز، الرسالہ کا زرِ تعاون ختم ہو جانے پر دوبارہ اُس کے اجرا کے لیے اپنا خریداری نمبر (US No.) ضرور ارسال فرمائیں۔

● الرسالہ سے متعلق امور کے لیے مسٹر مشتاق احمد سے، اور مطبوعاتِ الرسالہ سے متعلق معلومات وغیرہ کے لیے مسٹر شاہ فیصل سے حسب ذیل نمبر پر رابطہ قائم کریں:

Ph.: 011-2435 6666, 2435 5454
E-mail: faisal@goodwordbooks.com

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر
اتحادِ ملّت
احیاءِ اسلام
اسبابِ تاریخ
اسفارِ ہند
اسلام: ایک تعارف
اسلام: ایک عظیم جدوجہد
اسلام اور عصرِ حاضر
اسلام پندرہویں صدی میں
اسلام دورِ جدید کا خالق
اسلام دینِ فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام کیا ہے
اسلامی تعلیمات
اسلامی دعوت
اسلامی زندگی
اقوالِ حکمت
الاسلام
الربانیۃ
*امنِ عالم
امہات المومنین
انسان اپنے آپ کو پہچان
*انسان کی منزل
ایمانی طاقت
آخری سفر
باغِ جنت
پیغمبرِ اسلام
پیغمبرِ انقلاب
تذکیر القرآن (مکمل)
تاریخ دعوتِ حق
تاریخ کا سبق
تبلیغی تحریک
تجدیدِ دین
تصویرِ ملت
تعارفِ اسلام
تعبیر کی غلطی
تعددِ ازواج
تعمیرِ انسانیت

تعمیرِ حیات
تعمیر کی طرف
تعمیرِ ملت
حدیثِ رسول
حقیقتِ حج
حقیقت کی تلاش
حل یہاں ہے
حیاتِ طیبہ
خاتونِ اسلام
خدا اور انسان
خلیج ڈائری
دعوتِ اسلام
دعوتِ حق
دینِ انسانیت
دینِ کامل
دین کی سیاسی تعبیر
دین کیا ہے
*دین و شریعت
دینی تعلیم
ڈائری 84-1983
ڈائری 90-1989
ڈائری 92-1991
*ڈائری 94-1993
رازِ حیات
راہِ عمل
راہیں بند نہیں
روشن مستقبل
رہنمائے حیات (کتابچہ)
*رہنمائے حیات
زلزلہ قیامت
سبق آموز واقعات
سچا راستہ
سفرنامہ اسپین و فلسطین
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
سوشلزم اور اسلام
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
*سیرتِ رسول

شتمِ رسول کا مسئلہ
صراطِ مستقیم
صومِ رمضان
طلاق اسلام میں
ظہورِ اسلام
عظمتِ اسلام
عظمتِ صحابہ
عظمتِ قرآن
عظمتِ مومن
عقلیاتِ اسلام
علما اور دورِ جدید
*عورت معمارِ انسانیت
فسادات کا مسئلہ
فکرِ اسلامی
قال اللہ و قال الرسول
قرآن کا مطلوب انسان
قیادت نامہ
کاروانِ ملت
کتابِ زندگی
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
مذہب اور جدید چیلنج
مذہب اور سائنس
*مسائلِ اجتہاد
مضامینِ اسلام
*مطالعۂ حدیث
*مطالعۂ سیرت (کتابچہ)
*مطالعۂ سیرت
*مطالعۂ قرآن
منزل کی طرف
*مولانا مودودی شخصیت اور تحریک
میوات کا سفر
نارِ جہنم
نشری تقریریں
ہندستان آزادی کے بعد
ہندستانی مسلمان
*ہند-پاک ڈائری
یکساں سول کوڈ

* نئی کتابیں

ماہِ رمضان اور دعوتی موضوع پر اردو ہندی اور انگریزی زبان میں مختلف لیفلٹس اور بک لٹس تیار ہو گئے ہیں۔آپ اِن لیفلٹس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں ہمارا تعاون کیجئے۔

GOODWORD

www.goodwordbooks.com

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 25 فی صد ہے۔ 100 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 33 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 100	$20
دو سال	Rs. 200	$40
تین سال	Rs. 300	$60